جلد (۲) عدد (۱)

محرم سنہ ۱۳۵۲ ہجری

۷۸۶

ماہ نامہ

ترجمان القرآن

علوم و معارف قرآنی و حقایق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

باہتمام

مولوی ابو محمد صاحب مصلح

اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدرآباد دکن میں طبع ہوا

قیمت سالانہ عہ

قیمت فی پرچہ ۸ ر

خـــالی صفحـــه

٧٨٦

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فاتحہ

الحمد للہ الذی انزل الینا کتاباً فیہ ھدًی و شفاء للناس، و یسرہ لنا لنذکرہم وارسل الینا عبدہ و رسولہ محمدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ بالھدی ودین الحق یتلوا علینا ایاتہ ویزکینا ویعلمنا الکتب والحکمۃ، ویخرجنا من الظلمت الی النور۔

یہ رسالہ اپنی زندگی کے چھ مہینے پورے کرنے کے بعد آج ایک دوسرے مرحلے میں قدم رکھ رہا ہے جو پہلے مرحلے سے زیادہ کٹھن اور دشوار ہے۔ کٹھن اور دشوار صرف اسی معنی میں نہیں کہ اس کے پیش نظر پہلے سے زیادہ مشکل کام ہے۔ بلکہ اس معنی میں بھی کہ جن ہاتھوں میں وہ منتقل ہو رہا ہے وہ پہلے کام کرنے والے ہاتھوں سے زیادہ کمزور ہیں۔ اب تک اس رسالہ کی تحریر و ترتیب ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں تھی جس نے برسوں سے اپنی زندگی کو قرآن اور صرف قرآن کی خدمت کیلئے وقف کر رکھا ہے، جس کے لئے قرآن کے ذکر اور قرآن کی تعلیم و تبلیغ کے سوا دنیا کی کسی چیز میں دلچسپی نہیں ہے، جس نے قرآن کے کام کو اوڑھنا اور بچھونا بنا لیا ہے، اور قرآن کی طرف دعوت دینے میں جس کا انہماک اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ دنیا کے ہر انہماک کو اس پر رشک آتا ہے ایسے شخص کے لیے سب سے بڑی قوت اس کا خلوص، اس کی تن دہی اور اس کا ایثار ہے جو ہر مشکل سے مشکل امر میں کامیابی کے لئے ضامن ہوتا ہے۔ مگر اب یہ کام اس شخص کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ جو انکسار کے طور پر نہیں اعتراف حقیقت کے طور پر اپنی کمزوری اپنی بیچارگی، اپنی بے مائگی کو تسلیم کرتا ہے۔ اور ہر شخص سے زیادہ خود اپنے عجز و درماندگی سے واقف ہے۔

ایک طرف یہ ضعف و ناتوانی ہے۔ دوسری طرف پیش نظر کام یہ ہے کہ اسلام کو اس اصلی روشنی میں پیش کیا جائے جس میں قرآن حکیم نے اس کو پیش کیا ہے۔ اور قرآن حکیم کی تعلیمات اور اس کے حقایق و معارف کو اُس طریق سے بیان کیا جائے جس طریقہ سے سلف صالح نے ان کو بیان کیا ہے کہنے کو یہ کام بہت آسان ہے۔ صرف دو جملوں میں اس کا ماحصل ادا کر دیا جا سکتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مشکوٰۃ نبوت سے بعد علم صحیح کی کمی، سلامت قلب و سداد نظر کے فقدان، یونانی تفلسف، عجمی موشگافی، مغربی تشکیک، اور سب سے بڑھ کر خود پرستی، عقلیت کے گھمنڈ اور ہوائے نفس کے اتباع نے ہمارے اور معارف قرآنی کے درمیان ایسے پردے ڈال دئیے ہیں کہ جو قرآن آسان کیا گیا تھا وہ اب سب سے زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔ جو نہ صرف روشن بلکہ روشن گر، نہ صرف نور بلکہ منیر تھا وہ اب خود اپنی اصلی شکل میں نظر نہیں آتا جا کہ ہم کو سیدھا راستہ دکھائے، جو آنکھوں کو دیکھنے، کانوں کو سننے، دلوں کو سمجھنے کی دعوت دینے آیا تھا وہ اب خود نہ دکھائی دیتا ہے، نہ کانوں میں اترتا ہے، اور نہ دلوں تک پہنچتا ہے۔ قریب قریب ایک ہزار برس سے اس سراج منیر، اس نور مبین، اس شمع ہدایت پر اسرائیلیات، یونانیات، عجمیات، اور فرنگیات کے توبرتو پردے ڈالے جا رہے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے الفاظ میں چاہے تحریف نہ ہوئی ہو، مگر معانی کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں، حقائق چھپ گئے ہیں، تعلیمات مستور ہو گئی ہیں، اور ان فوائد کا حصول کم اور کم تر ہوتا چلا جا رہا ہے جن کے لئے یہ کتاب نازل کی گئی تھی فلسفیوں کے نظریات، منطقیوں کے اصول، طبیعیوں کے قواعد، فلکیوں کی تشریحات، مورخوں کے بیانات، قصہ خوانوں کے قصے، غرض ہر وہ چیز جس کو قرآن اس کی تعلیم، اور اس کی ہدایت سے دور کا واسطہ بھی نہیں، قرآن کی تفسیر و تاویل میں دخل پا گئی ہے۔ اور اس کے برعکس رسول اللہ کی سنت اور اصحاب و اہل بیت رسول کے اقوال و آثار اور مشکوٰۃ نبوت سے قریب ترین اکتساب کرنے والوں کے بیانات کو جن پر فہم قرآن منحصر ہے اس سے خارج یا قریب قریب بے تعلق کر دیا گیا ہے۔

ان حالات میں قرآن مجید کو اس کی اصلی صورت میں پیش کرنا اس کے حقائق و معارف کو اس سیدھے اور صاف طریقے سے سمجھنا اور سمجھانا جس سے قرآن اول کے سچے مسلمان سمجھتے اور سمجھاتے تھے، ایک بڑا مشکل کام ہے۔ اور اس مشکل کام کے لئے اس رسوخ علم، سلامت قلب، اور طہارت نفس و روح کی ضرورت ہے جس کی قلت میں اپنے اندر محسوس کرتا ہوں، قرآن مجید کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے سب سے پہلی ضرورت پاکیزگی کی ہے کہ قرآن ھدی للمتقین ہے۔ جس طرح قرآن کے اوراق کو چھونے کے لئے جسم کی پاکیزگی ضروری ہے اسی طرح اس کے معانی، اس کے معارف، اس کی روح تک رسائی حاصل کرنے کے لئے نفس و روح کی پاکیزگی بھی لازم ہے جس کا دوسرا نام تقوی ہے۔ اس کے بغیر انسان بجائے ہدایت پانے کے الٹا گمراہ ہو جاتا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ (۲:۳) — خدا اس قرآن سے بہتوں کو ھدایت دیتا ہے۔ اور بہتوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور گمراہ جن کو کرتا ہے وہ دراصل فاسق ہوتے ہیں۔

اس کے ساتھ رسوخ علم بھی ضروری ہے۔ جو متشابہات کو بھی محکمات کے درجہ پر کر دیتا ہے۔ اور جس کے بغیر انسان اتنا کج نظر و کج فہم ہو جاتا ہے۔ کہ اس کے لئے محکمات بھی متشابہات ہو جاتی ہیں۔

مِنْهُ اٰيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۳:۱) — قرآن میں سے بعض آیتیں صاف و صریح ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں۔ اور بعض کے معانی مشتبہ ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ قرآن کے مشتبہ اور مبہم حصوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تا کہ اس سے فتنہ برپا کریں اور من مانی تاویلیں کیا کریں۔ اور جو علم میں رسوخ اور پختگی رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم تو قرآن پر ایمان لے آئے اس میں جو کچھ ہے ہمارے رب کی طرف سے ہے اور حق یہ ہے کہ جو عقل رکھتے ہیں نصیحت انہی پہ کارگر ہوتی ہے۔

پس سلامتی کی راہ تو درحقیقت اس میں تھی کہ جو شخص رسوخ علم اور طہارت قلب کا مالک نہیں ہے۔ وہ "ترجمان القرآن" کی تحریر و ترتیب کا کام اپنے ہاتھ میں نہ لیتا مگر کام کی دشواری اور اپنی کمزوری کو جاننے کے باوجود محض خدمت کے جذبہ نے مجھ کو اس دعوت کے قبول کرنے پر مجبور کر دیا جو مجھے اس کام کی جانب دیگئی تھی۔ اور اس بھروسہ نے میری ہمت بڑھائی کہ جس خدا نے میرے دل میں یہ جذبہ پیدا کیا ہے وہی رسوخ علم، صحت فکر، سلامت قلب، اور طہارت نفس و روح بھی ارزانی فرمائیگا۔

"ترجمان القرآن" کے مقاصد میں سے ایک اہم اور ضروری مقصد یہ بھی ہے۔ کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو قرآن کے سمجھنے میں مدد دیجائے اس مقصد کے ذیل میں یہ بھی آجاتا ہے۔ کہ ان شکوک وشبہات کو حل کیا جائے جو قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں اس کے لئے "ترجمان القرآن" میں ایک مستقل باب رہیگا جس میں ہر شخص کو اپنی مشکلات اور اپنے شبہات پیش کرنیکا حق ہوگا۔ اور حتی الامکان ان کو حل کرنے کی کوشش کی جائیگی "حتی الامکان" میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا فاضل ہو۔ یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ ہر مشکل کو حل اور ہر شبہ کو رفع کردینے پر قادر ہے۔ ایک شخص زیادہ سے زیادہ یہی کرسکتا ہے کہ اپنے علم وفہم کے مطابق لوگوں کے شبہات کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ باقی رہا ان شبہات کو بالفعل دور کردینا اور ہر شخص کو کلیۃً مطمئن کردینا تو یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔

اس کے ساتھ ہی میں اس کا مدعی بھی نہیں ہوں کہ مجھ سے غلطی نہیں ہوسکتی ممکن ہے کہ کسی مسئلہ کے سمجھنے اور بیان کرنے میں خود میں غلطی پر ہوں ایسے مواقع پر میں امید کرتا ہوں کہ میری کسی غلطی کو قصد و اختیار پر محمول نہ کیا جائیگا۔ بلکہ ناواقفیت اور قلت فہم کا نتیجہ سمجھا جائیگا۔ اور اہل علم حضرات میری اصلاح کی کوشش فرمائینگے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ کوئی شخص مجھے غلطی پر اصرار کرنے والا ہرگز نہ پائیگا۔

ایک بات مجھے "ترجمان القرآن" کے ناظرین سے بھی عرض کرنی ہے۔ اس رسالہ کے اجراء کا مقصد جلبِ زر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے رسائل نہایت محدود طبقوں میں مقبول ہوتے ہیں۔ اس لئے جو شخص ایسا کوئی رسالہ نکالتا ہے وہ پہلے ہی یہ سمجھ لیتا ہے کہ مالی منفعت کا حصول تو درکنار نقصان سے بچنا بھی مشکل ہے۔ لیکن یہ رسالہ جس دعوت کو پیش کر رہا ہے اس کی کامیابی اس پر منحصر ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک اس کا پیغام پہنچے، اور زیادہ سے زیادہ آدمی اس کی تعلیم سے مستفید ہوں۔ لہٰذا اس رسالہ کے ہر ناظر کو صرف ناظر قاری ہی نہ ہونا چاہئے، بلکہ مبلغ اور داعی بھی ہونا چاہئے اور اپنے اپنے حلقہ میں اس کی اشاعت کی کوشش کرنی چاہئے۔ میرا کام رسالہ کو مفید اور مفید تر بنانا ہے۔ اور ناظرین کا کام اس کے حلقۂ اشاعت کو وسیع اور وسیع تر کرنا۔

تحریک قرآن اور ترجمان القرآن

از

جناب مولوی ابو محمد مصلح صاحب سابق ایڈیٹر ترجمان القرآن

تحریک قرآن سے ملک آشنا ہو چکا ہے۔ اور قریب قریب ہر طبقہ کے افراد عملاً اس میں شرکت فرما چکے ہیں۔ آیندہ اگر خدا کو منظور ہے تو بہت جلد ایک تنظیمی شکل پیدا ہو جائے گی اور پھر وہ جس سے چاہے گا اس سلسلہ میں کام لے گا۔

تحریک قرآن اپنے اندر بڑی وسعت رکھتی ہے اس کے اصول و فروع پر بحث کے لئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ الاصلاح سہسرام، مذہب کلکتہ اور سلسلہ اشاعت قرآن حیدر آباد دکن کے تقریباً پانچ ہزار صفحات تحریک کے متعلقات اور توضیحات سے لبریز ہیں۔

نفس تحریک کوئی نئی چیز نہیں لیکن جس شکل میں اس چودھویں صدی کے اندر اس کو پیش کیا گیا ہے وہ یقیناً جملہ تحریکاتِ ماضی و حال سے اپنے رنگ میں جدا ہے اور یہی اس کی خصوصیت ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ اب تک جو کچھ لکھا جا رہا ہے اس میں پندرہ آنے سے زیادہ محرک کے خیال کی ترجمانی ہوتی رہی ہے لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ دوسرے اہل قلم حضرات کے خیالات سے بھی عوام کو آگاہ کیا جائے۔ اور اس طرح ایک ایسی جماعت پیدا ہو جائے جو صرف قرآن مجید کے متعلق سوچے اور اسی کے متعلق لکھے تاکہ مسلمانوں میں لحرکی پیدا ہو جائے۔

الحمد للہ ترجمان القرآن کے اجرا نے بہت جلد عملی شکل اختیار کی اور مولانا ابو الاعلیٰ مودودی جیسی شخصیت کے ظاہر و باطن کو مستقل طور پر خدا نے اس کے لئے منتخب فرما لیا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ط

شفیق مکرم مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی ذات تعارف کی محتاج نہیں۔ جمعیۃ علمائے ہند کا ارگن اخبار الجمعیۃ جس خوبی اور جس قابلیت کے ساتھ آپ کی ادارت میں نکلتا رہا ہے اُس سے عوام اور خواص سب ہی واقف ہیں اور خوش قسمتی سے ذاتی طور پر جن سے آپ کی ملاقات ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ الجمعیۃ اور ترجمان القرآن کی اڈیٹری کے لئے کس قدر صحیح انتخاب کا لفظ صادق آتا ہے۔ تصنیف کے اندر مصنف کی روح موجود ہوتی ہے اور قارئین کے اندر ایک حیثیت سے وہ حلول کر جاتی ہے۔ اس لئے اب ترجمان القرآن بھی مولٰنا ابوالاعلیٰ مودودی کے ظاہر و باطن اور قول و فعل کا آئینہ ہوگا اور پھر اس سے وہی مدعا حاصل ہوگا۔ جو اول روز سے نصب العین قرار پا چکا ہے۔

تحریک قرآن کی کامیابی کے سلسلہ میں سب سے پہلے دو کام کرنا طے پایا تھا۔ ایک تو فضا کا قرآنی فضا بنانا۔ دوسرے اشخاص کا پیدا کرنا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وہی کر سکتا ہے جو ہمہ قرآن ہو جس کے قول و فعل میں مطابقت ہو اور جس کا وظیفۂ حیات قرآن قرار پا چکا ہو۔

جیسا کہ کہا گیا ترجمان القرآن اسی مقصد عزیز کے حصول کے لئے جاری کیا گیا اور اس کے صفحات پر اسی امر کی کوشش کی گئی اور آیندہ بھی اس کا نصب العین یہی رہے گا اور خواہ اس کیلئے کتنی ہی زیادہ قیمت دینی پڑے سودا مہنگا نہ ہوگا۔ کیونکہ جو مقابلہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ جو قلعہ بھی سر کیا جا سکتا ہے جب ہی دنیا کو بھی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اور جو باغ بھی لگایا جا سکتا ہے۔ میدان کے صاف کرنے کے بعد زمین کے ہموار کر لینے کے بعد اور جان نثاروں کو صف میں لا کھڑا کرنے کے بعد بس اب یہی قرآنی فضا کا پیدا کرنا اور اشخاص کا مہیا کرنا ہی تحریک کی کامیابی کے لئے وقت کا سب سے زیادہ اہم مسئلہ ہے۔

"ترجمان القرآن" مجلس تحریک قرآن مجید ممالک محروسہ سرکار عالی کا پرچہ ہے۔ اور اس کے سب سے پہلے حامی و مددگار جناب نذیر جنگ بہادر ہیں۔ اور مجلس کے صدر جناب نواب سیف نواز جنگ بہادر دام

اور معتمد جناب نواب بہادر یار جنگ بہادر ہیں نیز ارکان میں بھی ایسے لوگ شریک ہیں جن کی ہر قسم کی اعانت ترجمان القرآن کے ساتھ رہی ہے اور رہے گی۔ اور جس سلطنت کے مرکز سے یہ شایع ہو رہا ہے اس کا دست اعانت تو علوم نہیں کس کس گوشہ تک پہونچا ہوا ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ کائنات کے سب سے زیادہ مقدس کام اور دنیا کی سب سے زیادہ اہم اور ضروری تحریک اس سے محروم رہے اگرچہ دوسروں کی طرح اس کو نعوذ باللہ ایک دوسرا خدا نہیں بنا لینا ہے۔ اور جا وبیجا امداد پر ہی منحصر نہیں کر دینا ہے لیکن قرآن کی شان کو برقرار رکھتے ہوے وقت آجائے تو سب کچھ قرآن کے لئے حاصل کر لیا جا سکتا ہے۔

"اب تک تحریک قرآن" اور ترجمان القرآن وغیرہ کو نہ تو امور مذہبی نے نوازا ہے اور نہ تعلیمات نے اور نہ ہی اس کے لئے کوشش کی گئی لیکن شاید یہ سب کچھ قدرت نے آیندہ کے لئے اٹھا رکھا ہو۔ اور مودودی صاحب اس سے وہ سب کچھ کر دکھائیں جس کے لئے دنیائے اسلام ہی نہیں بلکہ اقوام عالم بھی بے چینی کے ساتھ منتظر ہیں۔

ترجمان القرآن کی پہلی ششماہی ختم ہو چکی اور اب محرم الحرام ۱۳۵۲ھ سے نئے قالب اور نئی روح کے ساتھ مولنا ابو الاعلیٰ مودودی اپنی ادارت میں ملک و قوم کے سامنے پیش فرما رہے ہیں اس لئے میری تمنا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر ان کو ان کے مقاصد عالیہ میں ہر طرح کامیاب فرمائے۔

ترجمان القرآن میں ہمارا خمیر بھی شریک ہے اس لئے اس درس روحانیت دینے والے رسالہ سے روحانی تعلق ہمیشہ باقی رہے گا۔ اور اس کی فلاح و بہبود کے لئے جو کچھ کیا جائے گا وہ اپنا ہی عاقبت کا سود ہو گا۔

اشارات

(۵)

اسلام کے متعلق مسٹر جارج برنارڈشا کے خیالات جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ حال میں جب انہوں نے مشرق کا سفر کیا تو اس کے دوران میں سنگاپور کے عربی اخبار المھدی کا نامہ نگار ان سے ملا اور اس سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے پھر ایک مرتبہ اسلام کی خوبیون کا اعتراف کیا۔ انہوں نے کہا کہ اسلام آزادی دستوری و ذہنی حریت کا دین ہے، اجتماعی نقطہ نظر سے مسیحیت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، کسی مذہب کا نظام اجتماعی اتنا مکمل نہیں ہے جتنا اسلام کا نظام ہے۔ دنیا ے اسلام کا تنزل اسلام سے دور ہٹ جانے کی بدولت ہے مسلمان جب صرف اسلام کی بنیادوں پر جد و جہد کریں گے تو عالم اسلامی کا خواب، بیداری سے بدل جائیگا۔

ان خیالات کے سننے کے بعد نامہ نگار نے سوال کیا کہ جب آپ اسلام کو اچھا سمجھتے ہیں تو پھر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیوں نہیں کر دیتے ؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جو فطری طور پر ان بیانات کے بعد پیدا ہوتا ہی کیونکہ ایک سلیم الطبع آدمی کے لئے کسی چیز کے اعتراف قبح اور اس کے ترک اور کسی چیز کے اعتراف حسن اور اس کے قبول و تسلیم کر لینے میں کوئی حد فاصل نہیں ہے لیکن مسٹر شا نے جو کچھ جواب یا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قبول اسلام کے لئے طیار نہیں ہیں۔ اور ایسا نہ کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ صرف اس چیز کی کمی ہے جس کو شرح صدر کہتے ہیں۔

ایک مسٹر شا ہی پر موقوف نہیں ہے بہت سے اہل فکر و نظر پہلے بھی گذر چکے ہیں، اور اب بھی موجود ہیں جنھوں نے اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا، اس کے دنیوی یا دینی یا دونوں حیثیتوں سے مفید

ہونے کا اقرار کیا، اس کی تہذیب، اس کے نظام اجتماعی، اس کی علمی صداقت اور اس کی عملی قوت کی برتری تسلیم کی مگر جب ایمان لانے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو جانے کا سوال سامنے آیا تو کسی چیز نے ان کو قدم آگے بڑھانے سے روک دیا، اور وہ اسلام کی سرحد پر پہنچ کر ٹھیر گئے۔

برعکس اس کے بہت سے ایسے آدمی بھی ہو گذرے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ اسلام کی مخالفت اور اس کی دشمنی میں صرف کر دیا لیکن اسی مخالفت کے سلسلہ میں اسلام کا مطالعہ کرتے ہوئے حقیقت اسلام ان پر منکشف ہو گئی۔ اور اس انکشاف کے بعد کوئی چیز ان کو ایمان لانے سے روک نہ سکی

حقیقت یہ ہے کہ ہدایت وضلالت کا راز بھی ایک عجیب راز ہے ایک ہی بات ہے جو ہزاروں آدمیوں کے سامنے کہی جاتی ہے۔ مگر کوئی تو اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا۔ کوئی توجہ کرتا ہے لیکن وہ اس کے پردہ گوش پر سے اچٹ کر چلی جاتی ہے۔ کوئی اس کو سنتا اور سمجھتا ہے۔ مگر مانتا نہیں۔ کوئی اس کی تعریف وتحسین کرتا ہے مگر قبول وتسلیم نہیں کرتا۔ اور کسی کے دل میں وہ گھر کر جاتی ہے اور وہ اسکی صداقت پر ایمان لے آتا ہے۔

ہمارا شب وروز کا مشاہدہ ہے کہ ایک شخص کو بازار میں چوٹ لگ کر گرتے ہوئے سینکڑوں آدمی دیکھتے ہیں بہت سے اس کو ایک معمولی واقعہ سمجھ کر دیکھتے ہوئے گذر جاتے ہیں بہتوں کے دل میں رحم آتا ہے۔ مگر وہ افسوس کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتے ہیں بہت سے اس کا تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں اور بعض اللہ کے بندے ایسے نکلتے ہیں جو بڑھ کر اسے اٹھاتے ہیں اس سے ہمدردی کرتے ہیں اور اس کو مدد پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح ایک مجرم کو پابزنجیر لیجاتے ہوئے بہت سے آدمی دیکھتے ہیں۔ کوئی اس کی طرف التفات ہی نہیں کرتا۔ کوئی اس پر حقارت کی نظر ڈالتا ہے کوئی اس پر ترس کھاتا ہے۔ کوئی اس کی ہنسی اڑاتا ہے کوئی اس کے انجام پر خوش ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ جیسا کیا ویسا بھرا۔ اور کوئی اس کے انجام سے عبرت حاصل کرتا ہے اور جرم سے بچنے کی خواہش اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ تو مختلف لوگوں کی مختلف نفسی کیفیات و تاثرات ہیں، جن کا اختلاف زیادہ تعجب خیز نہیں اس سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ ایک ہی شخص کے تاثرات اور اس پر ایک ہی چیز کے اثر کی نوعیت مختلف اوقات میں مختلف ہوتی ہے۔ وہی ایک بات ہے جس کو ایک شخص ہزاروں مرتبہ سنتا ہے اور نہیں مانتا، مگر ایک ایسا موقع آتا ہے کہ یکایک اس کے دل کا بند کھل جاتا ہے۔ جو بات کان کے پردہ میں اٹک کر رہ جاتی تھی وہ سیدھی دل تک پہنچ جاتی ہے۔ اور وہ خود حیران ہوتا ہے کہ یہی بات میں پہلے بھی بارہا سن چکا ہوں، پھر آج یہ کیا ہو گیا کہ یہ خود بخود دل میں اتری چلی جا رہی ہے؟ ایک ہی شخص کو بارہا آفت رسیدہ آدمیوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے اور وہ ان کی طرف التفات بھی نہیں کرتا۔ لیکن ایک موقع پر کسی شخص کی مصیبت دیکھکر دفعۃً اس کا دل بھر آتا ہے۔ شقاوت کا پردہ چاک چاک ہو جاتا ہے۔ اور وہ سب سے زیادہ ہمدرد، رحیم اور نرم دل بن جاتا ہے۔ ایک شخص کو اپنی عمر میں بے شمار عبرت ناک مناظر دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ کبھی وہ ان کو تماشا سمجھ کر دیکھتا ہے۔ کبھی ایک حسرت و افسوس کی نگاہ ڈالتا ہے، اور کبھی ایک معمولی منظر سے اس پر ایسا اثر پڑتا ہے کہ دل پر ایک مستقل نقش بیٹھ جاتا ہے۔

یہی حال ہدایت و ضلالت کا بھی ہے۔ وہی ایک قرآن تھا۔ وہی ایک اس کی تعلیم تھی، وہی ایک اس کو سنانے والی زبان تھی۔ ابوجہل اور ابولہب تمام عمر اس کو سنتے رہے مگر کبھی وہ ان کے کانوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ خدیجۃ الکبریٰؓ۔ ابوبکرؓ۔ اور علیؓ ابن ابی طالب نے سنا اور پہلے ہی لمحہ میں اس پر ایمان لے آئے، بغیر اس کے کہ ان کے دل میں شک کا شائبہ بھی گذرتا۔ عمرؓ ابن الخطاب نے بیسیوں مرتبہ اس کو سنا اور صرف یہی نہیں کہ تسلیم نہ کیا بلکہ جوں جوں سنتے رہے مخالف اور دشمن ہوتے چلے گئے، لیکن ایک مرتبہ انہی کانوں نے اس چیز کو سنا تو کان اور دل کے درمیان جتنی مضبوط دیواریں چنی ہوئی تھیں یکایک

منہدم ہو گئیں اور اس چیز نے ان کے دل میں ایسا اثر کیا کہ ان کی زندگی کی بالکل کایا پلٹ دی۔

ہر چند نفسی نقطۂ نظر سے اس اختلاف کیفیت اور اختلاف اثر و تاثر کی بہت سی توجیہیں کی جا سکتی ہیں۔ اور وہ سب اپنی اپنی جگہ درست بھی ہیں۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جو چیز چشم و گوش اور دل و دماغ کے درمیان کہیں ایک مستقل حجاب بن جاتی ہے کہیں ایک مدت تک حجاب رہتی ہے اور ایک نفسی موقع پر خود بخود چاک ہو جاتی ہے کہیں سرے سے حجاب بنتی ہی نہیں کہیں کسی بات سے حجاب بنتی ہے۔ اور کسی بات کے لئے نہیں بنتی، وہ ہرگز انسان کے ارادہ و اختیار کے تابع نہیں ہے بلکہ فطری و جبلی طور پر خود بخود انسان میں پیدا ہوتی ہے۔

یہی نکتہ ہے جس کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاۗءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۶ : ۱۵)۔

اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ کرتا اور ایسا بھینچتا ہے کہ گویا وہ آسمان پر چڑھا چلا جا رہا ہے۔ یہ طریقہ ہے جس سے ایمان نہ لانے والوں پر اللہ کی طرف سے ناپاکی مسلط کی جاتی ہے۔

ایک اور موقع پر اس کو یوں ادا کیا گیا ہے کہ:۔

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ (۱۶ : ۱۳)۔

اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، مگر وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔

پھر اس ہدایت کی کیفیت کو یوں بیان کیا ہے کہ:۔

قُلْ اِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ (۱۳: ۴)۔

ان سے کہو کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اور ضلالت کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے کہ :۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۙ وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (۱۷: ۵)۔

جب تم نے قرآن پڑھا تو ہم نے تمہارے اور آخرت کا یقین نہ رکھنے والوں کے درمیان ایک گاڑھا پردہ ڈال دیا اور ان کے دلوں پر غلاف چڑھا دیے کہ قرآن نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دی

ان آیات میں اس فطری کیفیت کو جو ایک حق بات سن کر اسے قبول کر لینے کے لئے اضطراری طور پر دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور جو آخر کار انسان کو ایمان کی طرف کھینچ لاتی ہے۔ خدائی ہدایت اور اس کے پیدا ہونے کو "شرح صدر" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس ہدایت کے برعکس انسان کے دل میں حق سے انکار اور اعراض کرنے پر آمادگی کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے، اس کو اللہ کی طرف سے مسلط کی ہوئی گمراہی قرار دیا گیا ہے، اور "شرح صدر" کے مقابل جو انقباضی کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے اسے ضیق صدر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر اس "ہدایت" و "ضلالت" اور "شرح صدر" و "ضیق صدر" کے پیدا ہونے کا سبب یہ بتایا ہے کہ انسان جب ایک مرتبہ خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اس کو خود بخود وہ راستہ دکھائی دینے لگتا ہے جو اسے سیدھا خدا کی جانب لے جاتا ہے۔ اور جو شخص سرے سے یہ احساس ہی نہیں رکھتا کہ مجھے کبھی خدا کے حضور میں حاضر ہونا اور اپنے قلب و جوارح کے افعال کا حساب دینا ہے اس کو لاکھ کوئی شخص کلمۂ حق سنائے اور وعظ و تلقین کرے کوئی بات اس کے دل میں نہیں اترتی، اور وہ کسی طرح راہ راست

نہیں آتا۔

یہاں پھر دو باتیں مل گئی ہیں جن کو الگ الگ سمجھ لینے سے قرآن مجید کے وہ مقامات آسانی حل ہو جاتے ہیں جن میں یہ مضمون مختلف پیرایوں سے بیان کیا گیا ہے۔

ایک طرف ہدایت وشرح صدر اور ضلالت وضیق صدر کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ دوسری طرف اس ہدایت وشرح صدر کے عطا کرنے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ انسان خدا کی طرف رجوع اور توجہ کرے۔ اور ضلالت وضیق صدر کے مسلط کر دینے کا سبب یہ بتایا ہے کہ گمراہ شخص خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور اس کے سامنے مسئول وجواب دہ ہونے کا احساس نہیں رکھتا

ان دونوں چیزوں کے باہمی تعلق کو یوں سمجھو کہ انسان کی فطرت میں خدا نے ایک ایسی قوت رکھ دی ہے جو اس کو حق وباطل کے امتیاز اور صحیح وغلط کا فرق سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اسے حق کی طرف بڑھنے اور باطل سے احتراز کرنے پر مائل کرتی ہے یہی قوت وہ فطری ہدایت ہے جسے خدا اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور جس کی طرف ارشاد خداوندی فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا میں اشارہ کیا گیا ہے اس کے خلاف ایک اور قوت بھی انسان میں کام کر رہی ہے جو اس کو برائی کی طرف کھینچتی غلطی اور کج روی کی طرف مائل کرتی اور جھوٹ اور باطل کو اس کے سامنے مزین کر کے پیش کرتی ہے ان دونوں کے ساتھ بہت سی خارجی اور داخلی قوتیں ایسی ہیں جن میں سے بعض ہدایت کی قوت کو مدد پہونچانے والی ہوتی ہیں اور بعض ضلالت کی قوت کو اکتساب علم اور اس کے مختلف مدارج تربیت اور اس کی مختلف کیفیات، سوسائٹی اور اس کے مختلف احوال وہ چیزیں ہیں جو باہر سے اس پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ترازو کے دونوں پلڑوں میں سے کسی ایک میں کم وبیش دونوں میں اپنا وزن ڈالتی رہتی ہیں۔ اور انسان کا اپنے اختیار تمیزی، اپنی فہم وفراست، اپنی عقل وبصیرت، اپنے ذرائع اکتساب علم سے صحیح یا غلط کام لینا

اور اپنی قوت فیصلہ کو بجا یا بیجا استعمال کرنا، وہ چیز ہے جو خود اس کے ارادہ کے تابع ہے اور جس سے وہ ہدایت وضلالت کی متضاد قوتوں کے مقتضیات کے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔

اب ہوتا یہ ہے کہ خدا کی بخشی ہوی ہدایت اور اس کی مسلط کی ہوی ضلالت دونوں ایک غیر محسوس طور پر اپنا عمل کرتی رہتی ہیں۔ ہدایت کی قوت اسے راہ راست کی طرف لطیف اشارے کیا کرتی ہے۔ اور ضلالت کی قوت اسے باطل کے ملمع پر رجھائے جاتی ہے مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان غلط اثرات سے متاثر ہو کر اور خود اپنی اختیاری قوتوں کو غلط طریقے سے استعمال کر کے ضلالت کے پھندے میں گرفتار ہو جاتا ہے اور ہدایت کی پکار پر کان ہی نہیں دھرتا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ غلط راستے پر چل رہا ہوتا ہے، اور اس دوران میں کچھ بیرونی اثرات اور کچھ خود اس کی ذہنی عقل وبصیرت دونوں مل جل کر اسے گمراہی سے بیزار کر دیتے ہیں۔ اور اس وقت ہدایت کی وہی روشنی جو پہلے مدہم تھی دفعتاً تیز ہو کر اس کی آنکھیں کھول دیتی ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک مدت تک انسان ہدایت اور ضلالت کے درمیان مذبذب رہتا ہے کبھی ادھر کھنچتا ہے کبھی اُدھر، قوت فیصلہ اتنی قوی نہیں ہوتی کہ بالکل کسی ایک طرف کا ہو جائے بعض بدقسمت اسی تذبذب کے عالم میں دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، بعض کا آخری فیصلہ ضلالت کے حق میں ہوتا ہے اور بعض ایک طویل کشمکش کے بعد ہدایت الٰہی سے استفادہ پالیتے ہیں مگر سب سے زیادہ خوش قسمت وہ سلیم الفطرت صحیح القلب اور سدید النظر لوگ ہوتے ہیں جو خدا کی دی ہوی عقل، اس کی عطا کی ہوی آنکھوں، اس کے بخشے ہوئے کانوں اور اس کی ودیعت کی ہوئی قوتوں سے ٹھیک ٹھیک کام لیتے ہیں مشاہدات اور تجربات سے درست نتائج اخذ کرتے ہیں آیات الٰہی کو دیکھ کر ان سے صحیح سبق حاصل کرتے ہیں، باطل کی زینت ان کو رجھانے میں ناکام ہوتی ہے جھوٹ کا فریب ان کو اپنا گرویدہ نہیں بنا سکتا، ضلالت کی کج راہیوں کو دیکھتے ہی وہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ آدمی کے

چلنے کے قابل نہیں ہیں۔ پھر جونہی کہ وہ حق کیطرف رجوع کرتے اور اس کی طلب میں آگے بڑھتے ہیں حق خود ان کے استقبال کو آتا ہے۔ ہدایت کا نور ان کے سامنے چمکنے لگتا ہے، اور حق کو حق سمجھ لینے، اور باطل کو باطل جان لینے کے بعد پھر دنیا کی کوئی قوت ان کو راہ راست سے پھیرنے، اور گمراہی کی طرف لگانے میں کامیاب نہیں ہوتی۔

ایک اور بات بھی اس سلسلہ میں قابل بیان ہے، اور ضرورت ہے کہ مسلمان اس کو ذہن نشین کرلیں عام طور پر جب غیر مسلم مشاہیر کی جانب سے اسلام کے متعلق کچھ اچھے خیالات کا اظہار ہوتا ہے تو مسلمان بڑے فخر سے ان خیالات کو شہرت دیتے ہیں گویا ان کا اسلام کو اچھا سمجھنا اسلام کی خوبی کے لئے کوئی گراں قدر شہادت ہے لیکن یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ اسلام کی صداقت وحقانیت اس سے بے نیاز ہے کہ کوئی اس کا اعتراف کرے جس طرح آفتاب کا روشن ہونا اس کا محتاج نہیں کہ کوئی اس کو روشن کہے، اور جس طرح آگ کا گرم اور پانی کا سیال ہونا اس کا محتاج نہیں کہ کوئی اس کی گرمی اور اس کے سیلان کو تسلیم کرے اسی طرح اسلام کا برحق ہونا بھی اس کا حاجتمند نہیں ہے کہ کوئی اس کے برحق ہونے کو مانے خصوصاً ایسے لوگوں کی تحسین اور مدح تو کوئی بھی وقعت نہیں رکھتی جن کے دل ان کی زبانوں کا ساتھ نہیں دیتے، اور جو خود اپنے اعراض و انکار سے اپنی مدح و تحسین کی تکذیب کرتے ہیں اگر حقیقت میں وہ اسلام کی خوبی کے معترف ہوتے تو اس پر ایمان لے آتے لیکن جب انہوں نے زبانی اعتراف کے باوجود ایمان لانے سے انکار کر دیا تو اہل عقل کی نگاہ میں ان کی حیثیت بالکل اس شخص کی سی ہے جو طبیب کی صداقت کو تسلیم کرے، اس کے تجویز کردہ نسخہ کی صحت کا اعتراف کرے، مگر اپنی بیماری کا علاج کسی عطائی طبیب سے کرائے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی بڑے سے بڑے غیر مسلم کا اعتراف بھی اسلام کے لئے قابل فخر

نہیں ہے اس کے لئے ایک ہی فخر کافی ہے۔ اور وہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ، اور رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کا فخر ہے۔

اسی اشاعت میں جناب ذوقی شاہ صاحب کا ایک مضمون "فہم قرآن" کے عنوان سے شایع ہو رہا ہے انہوں نے اس مضمون میں ایک علمی و روحانی تربیت گاہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی ہے جہاں ایسے سچے داعیان اسلام کی ایک مخلص جماعت طیار کی جائے جو نہ صرف علوم و معارف قرآنی کے حامل ہوں بلکہ اس کے ساتھ اخلاق فاضلہ و اعمال صالحہ سے بھی آراستہ ہوں تا کہ دنیا کے سامنے اسلامی تعلیم کا عملی نمونہ بن کر پیش ہوں اور صداقت اسلام کا سکہ دلوں پر بٹھا دیں۔

کچھ عرصہ ہوا میں نے بھی اس قسم کی ایک تجویز مجلس تحریک قرآن کی ایک ذیلی کمیٹی کے سامنے پیش کی تھی اگرچہ اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ صوفی ہیں، انہوں نے اس کو "خانقاہ" سے موسوم کیا ہے اور میں طالب العلم ہوں، میں نے اسے مدرسہ کا نام دیا ہے لیکن اختلاف اسمی کے باوجود مسمّٰی ایک ہی ہے،

میری تجویز یہ تھی کہ ایک مدرسہ مخصوص طور پر صرف علوم قرآنی کی تعلیم کے لئے قائم کیا جائے اس میں دینیات کے فارغ التحصیل طلبہ کی ایک منتخب اور مختصر جماعت کو رکھ کر مختلف پہلوؤں سے قرآن مجید پڑھایا جائے مثلاً ایک طرف الفاظ کی تحقیق، جملوں کی ترکیب، بلاغت کے نکات، اور اسالیب بیان کا تتبع ہو۔ دوسری طرف قرآن مجید کی اس تفسیر کا مطالعہ کیا جائے جو خود رسول اکرم اور صحابہ کرامؓ اور سلف صالح نے فرمائی ہے تیسری طرف عقائد، عبادات، اور معاملات کے متعلق قرآن مجید کی تعلیم اور اس کے احکام پر نظر کی جائے اور استنباط مسائل کے طریقے معلوم کئے جائیں چوتھی جانب قرآن مجید کا مطالعہ فلسفہ و کلام کے نقطۂ نظر سے کیا جائے اور ابتدا سے اب تک مختلف ادیان و ملل اور مذاہب فلسفہ کی جانب سے

قرآن مجید پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کی تحقیق کی جائے۔ اس کے ساتھ ہی ان طلباء کو علوم جدیدہ کی تعلیم بھی دی جائے تاکہ وہ زمانہ کی رفتار، زندگی کے موجودہ مسائل اور وقت کی ضروریات کو سمجھیں اور اس زمانہ کے لوگوں کی رہنمائی قرآنی تعلیمات کے مطابق کرنے کے لئے مستعد ہوں۔ پھر ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے ہندوستان اور یورپ کی مختلف زبانیں سکھائی جائیں تاکہ وہ اس ملک اور بیرونی ممالک میں اسلامی تعلیمات کی اشاعت کر سکیں۔

میرے نزدیک اس درسگاہ میں چند خصوصیات ضرور ہونی چاہئیں:-

(۱) طالب علم ایسے انتخاب کئے جائیں جو بطیب خاطر اپنی زندگی کو اسلام کی خدمت کے لئے وقف کرنے پر آمادہ ہوں۔ نیک سیرت ہوں، ذہین و طباع ہوں، اور اس سانچے میں ڈھلنے کی صلاحیت رکھتے ہوں جس میں ان کو ڈھالنا مقصود ہے۔

(۲) ایسے اساتذہ کا انتخاب کیا جائے جو نہ صرف اپنے اپنے فن میں درجہ کمال رکھتے ہوں، بلکہ اس کے ساتھ اخلاق فاضلہ سے بھی متصف ہوں تاکہ وہ اپنے شاگردوں کے سامنے صرف تلاوت آیات ہی نہ کریں، بلکہ ان کے نفوس کا تزکیہ بھی کریں۔ ان میں حکمت کی روح بھی پھونکیں، ان کے اندر ایمان کی شمع بھی روشن کریں، اور ان کو عمل صالح کا درس بھی دیں۔

(۳) علمی و روحانی تربیت کے ساتھ ان طلبہ کو مختلف قسم کی صنعتیں بھی سکھائی جائیں تاکہ درسگاہ سے نکل کر وہ پیشہ ور واعظ، یا کرایہ کے امام، یا دنیا طلب درویش نہ بن جائیں اور نہ دوسرے طریقوں سے حرام خوری کر کے علم کو ذلیل کریں، بلکہ بزرگان سلف کی طرح عزت کے ساتھ اپنے دست و بازو کی کمائی کھائیں اور جو کچھ وقت کسب معاش سے بچے اس کو دین کی خدمت میں صرف کریں۔

ہندوستان کے ۷ کروڑ مسلمانوں میں سے اس قسم کے تیس چالیس نوجوانوں کا فراہم ہوجانا

کچھ مشکل نہیں، چار پانچ ایسے صالح علماء کا میسر آجانا بھی آسان نہیں تو دشوار بھی نہیں، اور اس مدرسے کا خرچ چلانے کے لئے دو ڈھائی ہزار روپے مہینہ کا انتظام کرنا بھی محالات سے نہیں ہے، خصوصاً حیدرآباد میں اس کو محال کہنا تو کفران نعمت ہے، مگر ضرورت صرف ایک چیز کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس کام کو ایسے لوگ اپنے ہاتھ میں لیں جن کا خلوص بھی مسلّم ہو اور دیانت بھی محل شک میں نہ ہو، اور جو کام کو کام کے لئے کرنا چاہتے ہوں نہ کہ کسی اور چیز کے لئے۔

یہ ایک ایسی تجویز ہے جو اگر اپنی حقیقی شان کے ساتھ عالم واقعہ میں آجائے تو یقیناً مسلمانوں کی قوم پر ایک انقلاب انگیز اثر مترتب ہوگا۔ مسلمانوں کی تمام تحریکیں صرف اس وجہ سے بے جان ہیں کہ ان میں رجال کی قلت ہے کہیں اتفاق سے کوئی بندۂ خدا ایک اچھا دل ودماغ اور ایک سچا جذبۂ عمل لے کر پیدا ہوجاتا ہے اور اس کو حالات کی مساعدت بھی میسر آجاتی ہے، تو اس کے اثر سے کچھ دن کے لئے مسلمانوں میں ایک حرکت پیدا ہوجاتی ہے۔ مگر وہ حرکت صرف اس کی زندگی تک رہتی ہے ادھر اس کی آنکھ بند ہوئی ادھر اس کا کام بھی بند ہوا۔ اس کی اصلی علت یہی ہے کہ ہمارے رہنماؤں کو کام کے آدمی بنانے اور مردان کار مہیا کرنے کی اہمیت کا احساس نہیں ہے۔ وہ اپنی تمام قوت اپنے مقصد کو عملی جامہ پہنانے میں صرف کردیتے ہیں، اور یہ فکر نہیں کرتے کہ اس کام کو آئندہ بھی چلانے کے لئے آدمی فراہم ہونے چاہئیں تاکہ کام کی زندگی شخص واحد کی زندگی کے ساتھ ختم نہ ہوجائے اس کمی کو پورا کرنے کی سخت ضرورت ہے، اور اس کی تدبیروں میں سے ایک اہم تدبیر وہ ہے جو ابھی اوپر بیان کی گئی ہے۔ اگر ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی درس گاہ اور تربیت گاہ قائم کردی جائے جس سے صحیح علم، اور بلند سیرت رکھنے والے تیس چالیس نوجوانوں کی ایک جماعت ہر دوسرے تیسرے سال نکلتی رہے، تو ایک قلیل مدت میں مسلمانوں کے اندر وہ قحط الرجال باقی نہ رہے گا جس کی بدولت آج کل ان کی قومی تحریکوں پر مردنی چھائی ہوئی ہے۔

"ترجمان القرآن" کی پچھلی چند اشاعتوں میں میں نے ایک مضمون تعلیم القرآن کی ضرورت پر لکھا تھا۔ جو غلطی سے "اصول اخلاق و سیاست و قانون" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس میں گفتگو کرتے ہوئے میں نے اس مسئلہ سے بھی بحث کی تھی کہ اسلام میں جتنے فرقے پیدا ہوئے ہیں وہ سب کتاب و سنت پر اپنی بنیاد رکھتے ہیں! اس وجہ سے یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ کتاب و سنت ہی اختلاف کا سرچشمہ ہے، اور اسی وجہ سے ہماری مذہبی تعلیم میں کتاب و سنت سے اعراض کر کے زیادہ تر زور فقہ اصول اور کلام کی کتابوں پر دیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کتاب و سنت وحدت و اتفاق کا سرچشمہ ہے اور اختلاف کا سرچشمہ خود ہمارے شرور نفس اور خود ہماری اپنی جہالت میں ہے! اس لئے اختلاف کے فتنے کو مٹانے یا کم از کم ضعیف کر دینے کیلئے کتاب و سنت کی تعلیم سے اعراض کرنا نہیں بلکہ زیادہ تر اسی پر زور دینا ضروری ہے، اس سلسلہ میں میں نے لکھا تھا کہ :-

دین میں اصل فتنہ اختلاف کا فتنہ نہیں، تشیّع و تحزّب اور تعصب کا فتنہ ہے۔ ہر گروہ کا صرف اپنے مذہب، اپنے مسلک اور اپنی منہاج کو اصل دین اور ایک ہی صراط مستقیم قرار دینا، دوسرے گروہوں کو خارج از دین اور گم کردہ راہ سمجھنا، اسلامی عصبیت کو چھوڑ کر فریقانہ عصبیت اختیار کرنا، آپس میں عداوت اور ایک دوسرے سے نزاع رکھنا، یہی اصلی فتنہ ہے، اسی کو قرآن نے تفرق فی الدین سے تعبیر کیا ہے، یہی وہ چیز ہے جس سے بچنے کی قرآن میں بار بار تاکید کی گئی ہے اور اس کے متعلق فرمایا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوا دینھم و کانوا شیعًا لست منھم فی شیء (۶ : ۲۰) جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے۔ اے محمدؐ! انہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں"

آگے چل کر پھر لکھا تھا۔

"طریقوں کے اختلاف سے ڈر کر نفس قرآن کو جو اصل دین ہے چھوڑ بیٹھنا اور اس سے غفلت برتنا کوئی عقلمندی نہیں ہے، قرآن کے مطالعہ سے جزئیات و فروع میں تاویل وتعبیر کے اختلافات تو ضرور پیدا ہوں گے مگر کلیات و اصول جن پر دین کا مدار ہے لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہو جائیں گے۔ اور وہ جس قدر زیادہ جاگزیں ہوں گے اسی قدر تفرق فی الدین اور تحزب اور تشیع کا قلع قمع ہوگا۔"

بات بالکل صاف تھی۔ مگر اس سے میرے ایک شیعہ بھائی کو عجیب غلط فہمی پیدا ہوگئی۔ وہ اپنے ایک عنایت نامہ میں مجھ کو لکھتے ہیں:۔

"آپ نے اس مضمون میں (۱) تشیع کو اختلاف سے بڑھ چڑھ کر فتنہ اور قابل حذر ظاہر فرمایا ہے۔ (۲) شیعوں کی تکفیر کے قائل ہوئے ہیں۔ (۳) اور ان کے قلع وقمع کے لئے جمہور کو برانگیختہ کیا ہے۔

یہ ساری غلط فہمی صرف ایک لفظ تشیع کے معنی او محل استعمال پر غور نہ کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔ میرے بھائی نے تشیع سے وہ اصطلاحی شیعیت مراد لے لی ہے جس کا اطلاق شیعان علیؑ کے مذہب پر ہوتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ پوری عبارت کو پڑھ لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ یہ لفظ اس مخصوص اصطلاحی معنی میں نہ وہاں استعمال ہوا ہے اور نہ اس عبارت میں اس کے یہ معنی کسی طرح ہو سکتے ہیں۔ لکھنے والے نے تو اس کو قرآن سے اخذ کیا ہے اور وہ آیت بھی درج کر دی ہے جس سے یہ لفظ ماخوذ ہے، اور اس کے ساتھ دوسرے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جو اس کے مطلب و مفہوم پر روشنی ڈالتے ہیں یعنی تحزّب اور تعصّب، اور تفرق فی الدین۔ لغت عرب میں شیعہ کہتے ہیں۔ گروہ اور فرقہ کو اور اسی معنی میں یہ لفظ قرآن مجید میں آیا ہے، چنانچہ سورہ مریم کے پانچویں رکوع

میں ہے۔ ثُمَّ لننزعن من کُلِّ شیعۃٍ اَیُّھم اشدُّ علی الرحمان عتیًّا۔ پھر ہم ہر گروہ میں سے کچھ لوگوں کو الگ نکال لیں گے۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ کون لوگ خدائے رحمان سے سرکشی کرنے میں زیادہ شدید تھے۔ سورہ قصص کے دوسرے رکوع میں ہے فوجد فیھا رجلین یقتتلان ھٰذا من شیعتہٖ وھٰذا من عدوّہٖ۔ وہاں اس نے دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے پایا ایک اس کے اپنے گروہ سے تھا اور دوسرا دشمن گروہ سے۔ اسی لفظ شیعہ کی جمع شِیَع ہے اور یہ لفظ بھی اسی معنی میں قرآن کے اندر آیا ہے سورۂ الحجر کے پہلے رکوع میں ہے ولقد ارسلنا من قبلك فی شیع الاولین۔ ہم نے تم سے پہلے گذشتہ قوموں میں بھی رسول بھیجے تھے۔ سورۂ انعام کے آٹھویں رکوع میں ہے۔ اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بعضکم باْسَ بعض۔ یا تم کو گروہ گروہ کر کے آپس کی لڑائی کا مزا چکھائے سورۂ قصص کے پہلے رکوع میں ہے۔ اِنَّ فرعَونَ علا فی الارض وجعل اھلھا شیعًا۔ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں بانٹ دیا۔ سورۂ روم کے چوتھے رکوع میں ہے ولا تکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم وکانوا شِیَعًا۔ کُلُّ حزبٍ بما لدیھم فرِحون۔ تم ان مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ جنھوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کر دیے اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے اسی میں وہ مگن ہے۔

اسی مادہ سے لفظ تشیُّع نکلا ہے جس کے معنی ہیں متفرق اور پراگندہ ہو جانے کے۔ چنانچہ عرب کا محاورہ ہے قطرت قطرۃ من اللبن فی الماء فتشیّع فیہ ای تفرّق۔ اس تشیُّع کو اس تشیُّع سے کیا واسطہ۔ جو نزول قرآن کے کئی برس بعد ایک مخصوص اصطلاح بنا ہے۔ کم از کم اتنا تو معترض کو بھی معلوم ہے کہ قرآن میں یہ لفظ کہیں بھی اس اصطلاحی معنی میں مستعمل نہیں ہوا ہے۔

پھر میرے بھائی نہ مانتا تو غور کیا ہوتا کہ ایک شخص جس عبارت میں سرے سے فریقانہ عصبیت کی مخالفت کر رہا ہے کہہ رہا ہے کہ جزئی و فروعی اختلافات کو اصلی اور بنیادی اختلاف نہ بناؤ، آپس کی تکفیر اور مختلف فرقوں کے ایک دوسرے کو گمراہ اور خارج از دین قرار دینے کو فتنے سے تعبیر کر رہا ہے۔ جو تفرقہ کے فتنہ کا قلع قمع کرنے کی دعوت دے رہا ہے، اور قرآن مجید کے پیش کئے ہوئے اصول پر متحد ہو جانے کے لئے بلا رہا ہے اس کی اس عبارت اور ٹھیک اسی عبارت میں اسلام کے ایک بڑے فرقہ کی تکفیر اور اس کے قلع قمع کے لئے جمہور کو برانگیختہ کرنے کا آخر کونسا محل تھا۔ اگر لکھنے والے نے درحقیقت اس مضمون کے ان جملوں میں جو اوپر نقل کئے گئے ہیں کسی گروہ مسلمین کی تکفیر کی ہوتی اور اس کے قلع قمع کے لئے جمہور کو برانگیختہ کیا ہوتا، تو ایک عقلمند کا کام یہ نہ تھا کہ اس کو سمجھانے کی کوشش کرتا، بلکہ اس کا کام تو یہ تھا کہ مقامی پولیس کو ایک خطرناک پاگل کے ظاہر ہونے کی اطلاع دیتا۔

ان عزیز نے مجھے اسلامی فرقوں کے اختلاف کی اصل سمجھانے کی بھی کوشش فرمائی ہے جس کے لئے میں ان کا شکر گذار ہوں۔ میں نے بھی تھوڑا بہت اسلامی فرقوں کے اصول اور اختلاف کی بدایت و نہایت کے متعلق پڑھا ہے مگر کبھی اس نیت سے نہیں پڑھا کہ کسی فرقہ کی تردید اور کسی فرقہ کی تائید کے لئے دلائل حاصل کروں بلکہ محض تحقیق اور ایک کلمۂ سواء کی تلاش کے لئے پڑھا ہے۔ میرے پیش نظر کبھی سنیت اور شیعیت حنفیت اور وہابیت کا سوال نہیں رہا۔ میں ہمیشہ اصل اسلام کی جستجو میں رہا ہوں اور میری غایت تمنا یہ ہے کہ اللہ اس اصل اسلام کی خدمت میں میری ساری قوت صرف فرما دے اور اس قوت کا کوئی حصہ فرقوں اور گروہوں کی باہمی نزاعات میں صرف ہونے کے لئے باقی نہ رہنے دے۔

اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی

مغربی مصنفین اور ان کے اثر سے مشرقی اہل علم کا بھی ایک بڑا گروہ یہ رائے رکھتا ہے کہ اسلام کی تہذیب اپنے ماقبل کی تہذیبوں وخصوصاً یونانی رومی تہذیب سے ماخوذ ہے، اور وہ ایک جداگانہ تہذیب صرف اس وجہ سے بن گئی ہے کہ عربی ذہنیت نے اس پرانے مواد کو ایک نئے اسلوب سے ترکیب دیکر اس کی ظاہری شکل وصورت بدل دی ہے یہی نظریہ ہے جس کی بناء پر یہ لوگ اسلامی تہذیب کے عناصر ترکیبی، ایرانی، بابلی، سریانی، فینیقی، مصری، یونانی، اور رومی تہذیبوں میں تلاش کرتے ہیں۔ اور پھر عربی خصائص میں اس ذہنی عامل کا سراغ لگاتے ہیں جس نے ان تہذیبوں سے اپنے ڈھب کا مسالہ لیکر اسے اپنے ڈھنگ پر ترتیب دیا۔

لیکن یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے۔ میں اس حقیقت سے انکار نہیں کرتا کہ ہر زمانہ میں انسان کا حال اس کے ماضی سے ضرور متاثر ہوتا ہے، اور ہر نئی تعمیر میں پچھلی تعمیروں کے مواد سے ضرور کام لیا جاتا ہے مگر میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلامی تہذیب اپنی ذات وجوہر میں خالص اسلامی ہے، اور کسی غیر اسلامی موثر کے اثر کا اس میں ذرہ برابر دخل نہیں ہے، البتہ عرضی امور میں عربی ذہنیت، عربی روایات اور ماقبل اور ما بعد کی تہذیبوں کے اثرات ضرور داخل ہوگئے ہیں۔ عمارت میں ایک چیز تو اس کا نقشہ، اس کا مخصوص طرز تعمیر، اس کا مقصد اور اس مقصد کے لئے اس کا مناسب ومطابق ہونا ہے اور یہی اصل واساس ہے۔ دوسری چیز اس کا رنگ روغن، اس کے نقش ونگار، اس کی زینت وآرائش ہے، اور یہ ایک جزئی وفروعی چیز ہے پس جہاں تک اصل واساس کا تعلق ہے اسلامی تہذیب کا قصر کلیتہً اسلام کی اپنی تعمیر کا نتیجہ ہے۔ اس کا نقشہ اس کا اپنا ہے، کسی

دوسرے نقشے کی مدد اس میں نہیں لی گئی ہے۔ اس کا طرزِ تعمیر خود اسی کا ایجاد کردہ ہے کسی دوسرے نمونہ کی نقل اس میں نہیں کی گئی ہے، اس کا مقصدِ تعمیر نرالا ہے، کوئی دوسری عمارت اس مقصد کے لئے نہ اس سے پہلے تعمیر کی گئی اور نہ اس کے بعد، اسی طرح اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جس قسم کی عمارت تعمیر ہونی چاہئے تھی اسلامی تہذیب کی عمارت ٹھیک ویسی ہی ہے۔ اس مقصد کے لئے جو کچھ اس نے تعمیر کر دیا، اس میں کوئی بیرونی مہندس نہ ترمیم کی قدرت رکھتا ہے اور نہ اضافہ کی۔ باقی رہے جزئیات و فروع تو اسلام نے ان میں بھی دوسروں سے بہت کم استفادہ کیا، حتیٰ کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی بیشتر اسلام کے اپنے ہیں۔ لیکن مسلمانوں نے دوسروں سے رنگ روغن، نقش و نگار اور زینت و آرائش کے سامان لے کر اس عمارت میں اضافہ کر دئے اور وہی دیکھنے والوں کو اتنے نمایاں نظر آئے کہ انہوں نے پوری عمارت پر نقل کا حکم لگا دیا۔

تہذیب کا مفہوم

اس بحث کا فیصلہ کرنے کے لئے سب سے پہلے اس سوال کا تصفیہ ہونا ضروری ہے کہ تہذیب کس چیز کو کہتے ہیں؟ لوگ سمجھتے ہیں کہ کسی قوم کی تہذیب نام ہے، اس کے علوم و آداب، فنونِ لطیفہ، صنائع و بدائع، اطوارِ معاشرت، اندازِ تمدن اور طرزِ سیاست کا۔ مگر حقیقت میں یہ نفسِ تہذیب نہیں ہیں۔ تہذیب کے نتائج و مظاہر ہیں۔ تہذیب کی اصل نہیں ہیں شجرِ تہذیب کے برگ و بار ہیں۔ کسی تہذیب کی قدر و قیمت ان ظاہری صورتوں اور نمائشی ملبوسات کی بنیاد پر تعین نہیں کی جا سکتی۔ ان سب کو چھوڑ کر ہمیں اس کی روح تک پہنچنا چاہئے۔ اور اس کے اساس اصول کا تجسس کرنا چاہئے۔

تہذیب کے عناصرِ ترکیبی | اس نقطۂ نظر سے سب سے پہلی چیز جس کا کسی تہذیب میں کھوج لگانا ضروری ہے

وہ یہ کہ دنیوی زندگی کے متعلق اس کا تصور کیا ہے؟ وہ اس دنیا میں انسان کی کیا حیثیت قرار دیتی ہے؟ اس کی نگاہ میں دنیا کیا ہے؟ انسان کا اس دنیا سے کیا تعلق ہے؟ اور انسان اس دنیا کو برتتے تو کیا سمجھ کر برتتے؟ یہ تصور کا سوال ایسا اہم سوال ہے کہ انسانی زندگی کے تمام اعمال پر اس کا نہایت گہرا اثر ہوتا ہے، اور اس تصور کے بدل جانے سے تہذیب کی نوعیت بنیادی طور پر بدل جاتی ہے۔

دوسرا سوال جو تصور حیات کے سوال سے گہرا تعلق رکھتا ہے زندگی کے نصب العین کا سوال ہے، دنیا میں انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ یہ ساری تگ و دو یہ تمام کشمکش، یہ سب جدوجہد اور محبت و مشقت آخر کس لئے ہے؟ وہ کیا چیز مطلوب ہے جس کی طرف آدمی کو دوڑنا چاہئے؟ وہ کونسا مطمح نظر ہے جس تک پہنچنے کے لئے ابن آدم کو کوشش کرنی چاہئے۔ اور وہ کونسا منتہا ہے جسے انسان کو اپنی ہر سعی اور اپنے ہر عمل میں پیش نظر رکھنا چاہئے؟ یہی مقصود و مطلوب کا سوال انسان کی عملی زندگی کا رُخ اور اس کی رفتار متعین کرتا ہے، اور اِسی کے مطابق عمل کے طریقے اور کامیابی کے وسائل اختیار کئے جاتے ہیں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ زیر بحث تہذیب میں انسانی سیرت کی تعمیر کن بنیادی عقائد و افکار پر کیگئی ہے؟ انسان کی ذہنیت کو وہ کس سانچے میں ڈھالتی ہے؟ انسان کے دل و دماغ میں کس قسم کے خیالات جاگزیں کرتی ہے؟ اور اس میں وہ کونسے ذہنی محرکات ہیں جو اس کے نصب العین کے مطابق انسان کو ایک مخصوص قسم کی عملی زندگی کے لئے ابھارتے ہیں؟ یہ بات کسی بحث کی محتاج نہیں ہے کہ انسان کے قوائے عمل اس کے قوائے فکر کے تابع ہیں۔ اس کے دست و پا کو جو روح حرکت دیتی ہے وہ اس کے دل و دماغ سے آتی ہے، دل و دماغ پر جو عقیدہ، جو تخیل، جو مفکورہ پوری قوت کے ساتھ مسلط ہوگا عملی قوتیں اُسی کے زیر اثر حرکت کریں گی۔ ذہن

جس سانچے میں ڈھلا ہوا ہوگا اسی کے مطابق جذبات، حسیات، اور داعیات پیدا ہوں گے، اور انہی کے اتباع میں اعضا و جوارح کام کریں گے۔ پس دنیا کی کوئی تہذیب ایک اساسی عقیدہ اور ایک بنیادی متخیلہ کے بغیر قائم نہیں ہو سکتی، اور اس بنا پر ہر تہذیب کو سمجھنے اور اس کی قدر و قیمت جانچنے کے لئے اس عقیدہ و متخیلہ کو سمجھنا اور اس کے حسن و قبح کو جانچنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کسی عمارت کی مضبوطی و پائداری کا حال معلوم کرنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کی بنیادیں کتنی گہری اور کتنی مضبوط ہیں۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ وہ تہذیب انسان کو بحیثیت ایک انسان کے کس طرح کا آدمی بناتی ہے؟ یعنی وہ کس قسم کی اخلاقی تربیت ہے جس سے وہ انسان کو اپنے نظریہ کے مطابق کامیاب زندگی بسر کرنے کے لئے طیار کرتی ہے؟ وہ کونسے خصائل، اوصاف اور نفسی خصائص ہیں جنہیں وہ انسان میں پیدا کرنے اور نشو و نما دینے کی کوشش کرتی ہے؟ اور اس کی مخصوص اخلاقی تربیت سے انسان کیسا انسان بنتا ہے؟ گو تہذیب کا اصل مقصود نظام اجتماعی کی تعمیر ہے لیکن افراد ہی وہ مسالہ ہیں جن سے جماعت کا قصر بنتا ہے اور اس قصر کا استحکام اس پر منحصر ہے کہ اس کا ہر پتھر اچھا ترشا ہوا ہو، ہر اینٹ خوب پکی ہوی ہو، ہر شہتیر مضبوط و پائدار ہو، کوئی کڑی گھن کھائی ہوی نہ ہو، اور کسی حصہ میں ناکارہ، کچا اور بیجان مسالہ استعمال نہ کیا جائے۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ اس تہذیب میں انسان اور انسان کا تعلق اس کی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے کس طرح قائم کیا گیا ہے؟ اس کے تعلقات اس کے خاندان، اس کے ہمسایوں، اس کے دوستوں، اس کے ساتھ معاملہ کرنے والوں اس کے ساتھ رہنے اور لینے والوں، اس کے ماتحتوں اس کے بالادستوں خود اس کی اپنی تہذیب کے پیرووں، اور اس کی تہذیب کی پیروی نہ کرنے والوں کے ساتھ کس قسم کے رکھے ہیں؟ اس کے حقوق دوسروں پر اور دوسروں کے

حقوق اس پر کیا قرار دیے ہیں؟ اس کو کن حدود کا پابند کیا ہے؟ اس کو آزادی دی ہے تو کس حد تک اور مقید کیا ہے تو کس حد تک اس سوال کے ضمن میں اخلاق معاشرت، قانون، سیاست، اور بین الاقوامی تعلقات کے تمام مسائل آجاتے ہیں۔ اور اسی سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ زیر بحث تہذیب خاندان، سوسائٹی، اور حکومت کی تنظیم کس ڈھنگ پر کرتی ہے۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ تہذیب جس چیز کا نام ہے اس کی تکوین پانچ عناصر سے ہوتی ہے۔

(۱)۔ دنیوی زندگی کا تصور۔

(۲)، زندگی کا نصب العین۔

(۳)، اساسی عقیدہ۔

(۴)، انفرادی تربیت۔

(۵)، نظام اجتماعی۔

دنیا کی ہر تہذیب انہی پانچ عناصر سے بنی ہے، اور اسی طرح اسلامی تہذیب کی تکوین بھی انہی سے ہوئی ہے۔ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلامی تہذیب کے یہ پانچوں عناصر کس نوع کے ہیں، اور ان کی ترکیب کس طرح ہوئی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ اس نوعیت کے عناصر نہ فرداً فرداً اسلام کے سوا کسی اور تہذیب میں موجود ہیں، اور نہ انکی مجموعی ہیئت کی کوئی اور مثال دنیا میں پائی جاتی ہے۔

دنیوی زندگی کا اسلامی تصور

انسان کو ابتدا سے اپنے متعلق بڑی غلط فہمی ہے۔ اور اب تک اس کی یہ غلط فہمی باقی ہے۔

کبھی وہ افراط پر اترتا ہے تو اپنے آپ کو دنیا کی سب سے زیادہ بلند پایہ ہستی سمجھ لیتا ہے، غرور و تکبر اور سرکشی کی ہوا اس کے دماغ میں بھر جاتی ہے کسی طاقت کو اپنے سے بالاتر کیا معنی اپنا مد مقابل بھی نہیں سمجھتا، مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اور اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کی صدا بلند کرتا ہے، اور اپنے آپ کو غیر ذمہ دار اور غیر جواب دہ سمجھ کر جبر و قہر کا دیوتا ظلم و جور اور شر و فساد کا مجسمہ بن جاتا ہے۔ اور کبھی تفریط کی جانب مائل ہوتا ہے تو اپنے آپ کو دنیا کی سب سے زیادہ ذلیل ہستی سمجھ لیتا ہے، درخت، پتھر، دریا، پہاڑ، جانور، ہوا، آگ، بادل، بجلی، چاند، سورج، تارے، غرض ہر اس چیز کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے جس کے اندر کسی قسم کی طاقت یا منفعت یا مضرت نظر آتی ہے، اور خود اپنے جیسے آدمیوں میں بھی کوئی قوت دیکھتا ہے تو ان کو بھی دیوتا اور معبود مان لینے میں تامل نہیں کرتا۔

انسان کی حقیقت اسلام نے ان دونوں انتہائی تصورات کو باطل کر کے انسان کی اصلی حقیقت اس کے سامنے پیش کی ہے، وہ کہتا ہے کہ

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ؕ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ (۸۶)

انسان اپنی حقیقت تو دیکھے کہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے۔ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے جو پشت اور سینہ کی ہڈیوں سے کھنچ کر آتا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ (۳۶ : ۵)

کیا انسان یہ نہیں دیکھتا کہ ہم نے اس کو ایک قطرہ آب سے بنایا ہے، اور اب وہ کھلم کھلا ہمارا حریف بنتا ہے۔ اور ہمارے لئے مثالیں دیتا ہے اور اپنی اصل کو بھول گیا ہے۔

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۚ ثُمَّ

انسان کی ابتدا مٹی سے کی پھر مٹی کے نچوڑ سے جو ایک حقیر پانی ہے، اس کی نسل چلائی پھر اس کی بناوٹ ٹھیک کی

سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهٖ (۳۲ : ۱)

اور اس میں اپنی روح پھونکی ۔

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۔

(۲۲ : ۱)

ہم نے تم کو مٹی سے پھر قطرۂ آب سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر پوری یا ادھوری بنی ہوئی بوٹی سے پیدا کیا تاکہ تم کو اپنی قدرت دکھائیں۔ اور ہم جس نطفہ کو چاہتے ہیں ایک مدت مقررہ تک رحم مادر میں ٹھیرائے رکھتے ہیں پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے ہیں، پھر تم کو بڑھا کر جوانی کو پہنچاتے ہیں تم میں سے کوئی وفات پا جاتا ہے۔ اور کوئی بدترین عمر کو پہنچ جاتا ہے کہ سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے بعد پھر ناسمجھ ہو جائے

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ (۲۲)

اے انسان کس چیز نے تجھے اپنے رب کریم سے مغرور کر دیا؟ اس رب سے جس نے تجھے پیدا کیا تیرے اعضا درست کئے، تیرے قویٰ میں اعتدال پیدا کیا اور جس صورت میں چاہا تیرے عناصر کو ترکیب دی۔

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

(۱۶ : ۱۱)

اور اللہ ہی نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا جب تم نکلے تو اس حال میں تھے کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ اس نے تم کو کان دئے آنکھیں دیں۔ دل دئے۔ شاید کہ تم شکر کرو۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ

کیا تم نے اس نطفہ کو دیکھا جسے تم ڈالتے ہو،

أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ۔ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ
الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ عَلَىٰ أَنْ
نُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا
تَذَكَّرُونَ ۔ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ ۔
ءَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ
لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ
تَفَكَّهُونَ ۔ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ۝ بَلْ نَحْنُ
مَحْرُومُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي
تَشْرَبُونَ ۝ ءَأَنْتُمْ أَنْزَلْتُمُوهُ مِنَ
الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُونَ ۝ لَوْ نَشَاءُ
جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ۝
أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ۝
ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ
الْمُنْشِئُونَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً
وَمَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ
رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝ (٥٦ : ٣)

میں ٹپکاتے ہو؟ اس سے بچہ تم پیدا کرتے ہو یا ہم
اس کے پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے ہی تمہارے درمیان
موت کا اندازہ مقرر کیا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں
ہیں کہ تمہاری جسمانی شکلیں بدل دیں اور ایک
اور ہستی میں تم کو بنا دیں جس کو تم نہیں جانتے۔ اور
تم اپنی پہلی پیدائش کو تو جانتے ہی ہو۔ پھر کیوں نہیں
اس سے سبق حاصل کرتے؟ پھر کیا تم نے دیکھا کہ یہ
کھیتی باڑی جو تم کرتے ہو۔ اس کو تم اگاتے ہو یا
اگانے والے ہم ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو بھس
بنا دیں اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم نقصان میں
رہے بلکہ محروم رہ گئے۔ پھر کیا تم نے اس پانی کو دیکھا
جسے تم پیتے ہو؟ اس کو تم نے بادلوں سے اتارا ہے یا اتارنے
والے ہم ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس کو کھاری بنا دیں
پس کیوں نہیں شکر ادا کرتے پھر کیا تم نے اس آگ کو دیکھا
جسے تم سلگاتے ہو؟ جن درختوں سے یہ جلائی جاتی ہے ان کو
تم نے پیدا کیا ہے یا پیدا کرنے والے ہم ہیں۔ ہم نے اس کو
ایک یاد دلانے والی چیز اور مسافروں کے لئے سامان بنایا ہے
پس اے انسان اپنے خدائے بزرگ کی تسبیح کر۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ

جب کبھی سمندر میں تم پر طوفان کی مصیبت آتی تو تم

تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاہُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰکُمْ اِلَی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَکَانَ الْاِنْسَانُ کَفُوْرًا ۔ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ وَکِیْلًا ۔ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَکُمْ فِیْہِ تَارَۃً اُخْرٰی فَیُرْسِلَ عَلَیْکُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَکُمْ بِمَا کَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَکُمْ عَلَیْنَا تَبِیْعًا (۱۷:۷۰)۔

اپنے سب معبودان باطل کو بھول گئے اور اس وقت خدا ہی یاد آیا پھر جب اس نے تمکو بچا کر خشکی پر پہنچا دیا تو تم پھر اعراض کی روش پر اترآئے انسان واقعی بڑا ناشکرا ہے کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے کہ خدا تم کو زمین میں دھنسا دے یا تم پر ہوا کا طوفان بھیج دے اور تم کوئی اپنا مددگار نہ پاؤ؟ کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے کہ خدا تم کو دوبارہ اس سمندر میں لیجائے اور تم پر ہوا کا ایسا جھکڑ بھیجدے جو تمھیں تمہاری نافرمانی کے بدلے میں غرقاب کردے اور پھر تم ہمارا پیچھا کرنے والا کوئی حمایتی نہ پاؤ؟

ان آیات میں انسان کے غرور و تکبر کو توڑا گیا ہے۔ اسے اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تو ذرا اپنی حقیقت تو دیکھ۔ ایک نجس اور حقیر پانی کا قطرہ جو رحم مادر میں مختلف قسم کی نجاستوں سے پرورش پاکر گوشت کا ایک لوتھڑا بنتا ہے۔ خدا چاہے تو اس لوتھڑے میں جان ہی نہ ڈالے اور وہ یونہی غیر مکمل حالت میں خارج ہو جائے۔ خدا اپنی قدرت سے اس لوتھڑے میں جان ڈالتا ہے اس میں حواس پیدا کرتا ہے اور ان آلات اور ان قوتوں سے اس کو مسلح کرتا ہے جن کی انسان کو دنیوی زندگی میں ضرورت ہوتی ہے اس طرح تو دنیا میں آتا ہے مگر تیری ابتدائی حالت یہ ہوتی ہے کہ تو ایک بے بس بچہ ہوتا ہے جس میں اپنی کوئی حاجت پوری کرنے کی قدرت نہیں ہوتی خدا ہی نے اپنی قدرت سے ایسا سامان کیا ہے کہ تیری پرورش ہوتی ہے، تو بڑھتا ہے، جوان ہوتا ہے۔ طاقتور اور قادر ہوتا ہے۔ پھر تیری قوتوں میں انحطاط شروع ہوتا ہے۔ تو جوانی سے

بڑھاپے کی طرف جاتا ہے یہاں تک کہ ایک وقت میں تجھ پر پھر وہی بے بسی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ جو بچپن میں تھی۔ تیرے حواس جواب دیدیتے ہیں۔ تیری قوتیں ضعیف ہو جاتی ہیں۔ تیرا علم نسیاً منسیا ہو جاتا ہے، اور آخر کار تیری شمع حیات بجھ جاتی ہے، مال، اولاد، عزیز دوست، اقارب سب کو چھوڑ کر قبر میں جا پہنچتا ہے، اس مختصر عرصۂ حیات میں تو ایک لمحہ کے لئے بھی اپنے آپ کو زندہ رکھنے پر قادر نہیں ہے تجھ سے بالاتر ایک قوت ہے جو تجھکو زندہ رکھتی ہے، اور جب چاہتی ہے۔ تجھ کو دنیا چھوڑنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ پھر جتنی مدت تو زندہ رہتا ہے، تو اپنی قدرت سے جکڑا رہتا ہے۔ یہ ہوا، یہ پانی، یہ روشنی، یہ حرارت، یہ زمین کی پیداوار، قیدرتی سازوسامان جن پر تیری زندگی کا انحصار ہے ان میں سے کوئی بھی تیرے بس میں نہیں۔ نہ تو ان کو پیدا کرتا ہے، نہ یہ تیرے احکام کی تابع ہیں۔ یہی چیزیں جب تیرے خلاف آمادۂ پیکار ہو جاتی ہیں تو تو اپنے آپ کو ان کے مقابلے میں بے بس پاتا ہے۔ ایک ہوا کا جھکڑ تیری بستیوں کو تہ و بالا کر دیتا ہے، ایک پانی کا طوفان تجھے غرقاب کر دیتا ہے۔ ایک زلزلہ کا جھٹکا تجھے پیوند خاک کر دیتا ہے۔ تو خواہ کتنے ہی آلات سے مسلح ہو، اپنے علم سے (جو خود بھی تیرا اپنا پیدا کیا ہوا نہیں ہے) کیسی ہی تدبیریں ایجاد کرلے، اپنی عقل سے (جو خود بھی تیری اپنی حاصل کردہ نہیں ہے) کیسے ہی سازوسامان مہیا کر لے، قدرت کی طاقتوں کے سامنے یہ سب چیزیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ اس بل بوتے پر تو اکڑتا ہے، پھولوں نہیں سماتا کسی طاقت کو خاطر میں نہیں لاتا فرعونیت اور نمرودیت کا دم بھرتا ہے، جبار و قہار بنتا ہے، ظالم و سرکش بنتا ہے، خدا کے مقابلے میں بغاوت کرتا ہے، خدا کے بندوں کا معبود بنتا ہے۔ اور خدا کی زمین میں فساد پھیلاتا ہے۔

کائنات میں انسان کا درجہ | یہ تو تھی تکبر شکنی۔ دوسری طرف اسلام نوع بشر کو بتاتا ہے کہ وہ اتنی

دلیل بھی نہیں ہے جتنا اس نے اپنے آپ کو سمجھ لیا ہے ۔ وہ کہتا ہے :۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔ (۱۷ : ۷)

ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور تری میں سواریاں دیں اور ان کو پاک چیزوں سے رزق عطا کیا ۔ اور بہت سی ان چیزوں پر جو ہم نے پیدا کی ہیں ان کو ایک طرح کی فضیلت عطا کی ہے ۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ (۲۲ : ۹) ۔

اے انسان کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے ان سب چیزوں کو جو زمین میں ہیں تمہارے لئے مطیع بنا دیا ہے ۔

"اور جانوروں کو پیدا کیا جن میں تمہارے لئے سردی سے حفاظت کا سامان ہے اور منفعتیں ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو ۔ ان میں تمہارے لئے ایک شان جمال ہے جب کہ تم صبح ان کو لیجاتے ہو اور شام واپس لاتے ہو ۔ وہ تمہارے بوجھ ڈھو کر اس مقام تک لے جاتے ہیں ، جہاں تک تم بغیر جانکاہی کے نہیں پہنچ سکتے ، تمہارا رب بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے ۔ گھوڑے اور خچر اور گدھے تمہاری سواری کے لئے ہیں ۔ اور سامان زینت ہیں ۔ خدا اور بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کا تم کو علم بھی نہیں ہے .... وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا ، اس میں سے کچھ تمہارے پینے کے لئے ہے ، اور کچھ درختوں کی پرورش کے کام آتا ہے جن سے تم اپنے جانوروں کا چارہ حاصل کرتے ہو ۔ اس پانی سے خدا تمہارے لئے کھیتی اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے پھل اگاتا ہے ، ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں ۔ اسی نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند اور تارے مسخر کیے ہیں

یہ سب اسی خدا کے حکم سے مسخر ہیں ان میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل
سے کام لیتے ہیں اور بہت سی وہ مختلف الالوان چیزیں جو اس نے زمین میں
تمہارے لئے پیدا کی ہیں، ان میں سبق حاصل کرنے والوں کے لیے بڑی نشانی ہے
اور وہ خدا ہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کیا کہ اس سے تم تازہ گوشت (مچھلی) نکال کر
کھاؤ، اور زینت کا سامان (موتی وغیرہ) نکالو جن کو تم پہنتے ہو۔ اور تو دیکھتا ہے
کہ کشتیاں پانی کو چیرتی ہوئی سمندر میں بہتی چلی جاتی ہیں، چنانچہ سمندر کو اس لئے
بھی مسخر کیا ہے کہ تم لوگ اللہ کا فضل تلاش کرو۔ (یعنی تجارت کرو) شاید کہ تم
شکر بجا لاؤ۔ اس نے زمین میں پہاڑ لگا دیے کہ زمین تم کو لیکر جھک نہ جائے اور
دریا اور راستے بنا دیئے کہ تم منزل مقصود کی راہ پاؤ، اور بہت سی علامات بنائیں
منجملہ ان کے تارے بھی ہیں جن سے لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں۔ . . . .
اور اگر تم خدا کی نعمتوں کا شمار کرو تو ان کو بے حساب پاؤ گے" (۱۶: ۱-۲)۔

ان آیات میں انسان کو یہ بتایا گیا ہے کہ زمین میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب تیری خدمت اور فائدہ کے لئے مسخر کی گئی ہیں اور آسمان کی بھی بہت سی چیزوں کا یہی حال ہے۔ یہ درخت، یہ دریا، یہ سمندر، یہ پہاڑ، یہ جانور، یہ رات اور دن، یہ تاریکی اور روشنی، یہ چاند یہ سورج، یہ تارے غرض یہ سب چیزیں جن کو تو دیکھ رہا ہے تیری خادم ہیں، تیری منفعت کے لئے ہیں، اور تیرے لئے ان کو کارآمد بنایا گیا ہے تو ان سب پر فضیلت رکھتا ہے، تجھ کو ان سب سے زیادہ عزت دی گئی ہے، تجھ کو ان کا مخدوم بنایا گیا ہے۔ پھر کیا تو اپنے ان خادموں کے سامنے سر جھکاتا ہے؟ ان کو اپنا حاجت روا سمجھتا ہے؟ ان کے آگے دست سوال دراز کرتا ہے؟ ان سے اپنی مدد کی التجائیں کرتا ہے؟ ان سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہے؟ ان کی عظمت و بزرگی کے گیت گاتا ہے؟ اس طرح تو

تو اپنے آپ کو خود ذلیل کرتا ہے، اپنا مرتبہ آپ گراتا ہے، خادموں کا خادم، غلاموں کا غلام خود بنتا ہے۔

انسان نائب خدا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ انسان نہ اتنا عالی مرتبہ ہے جتنا وہ بزعم خود اپنے آپ کو سمجھتا ہے اور نہ اتنا پست و ذلیل ہے جتنا اس نے خود اپنے آپ کو بنا لیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آخر اس دنیا میں انسان کا صحیح مرتبہ کیا ہے؟ اس کا جواب اسلام یہ دیتا ہے؛

"اور جب کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا ایک خلیفہ (نائب) بنانے والا ہوں تو انہوں نے عرض کیا کہ کیا تو زمین میں اس کو نائب بناتا ہے جو جو وہاں فساد پھیلائے گا، اور خونریزیاں کرے گا؟ حالانکہ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح اور تیری تقدیس کرتے ہیں، اللہ نے فرمایا میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، اور اس نے آدم کو سب چیزوں کے اسمار سکھا دیے۔ پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ان چیزوں کے نام مجھے بتاؤ۔ انہوں نے کہا پاک ذات ہے تیری، ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے جو تو نے ہم کو سکھا دیا ہے، تو ہی علم رکھنے والا ہے اور تو ہی حکمت کا مالک ہے۔ خدا نے کہا اے آدم ان فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتا، پس جب آدم نے ان کو ان اشیار کے نام بتلائے تو خدا نے کہا، کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی سب مخفی باتیں جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے اور چھپاتے ہو اس سب کا علم رکھتا ہوں؟ اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا، بجز ابلیس کے کہ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور نافرمانوں میں سے ہو گیا اور ہم نے آدم سے کہا کہ اے آدم تو اور تیری بیوی دونوں جنت میں رہو اور

اس میں جہاں سے چاہو بفراغت کھاؤ، مگر اس درخت کے پاس بھی نہ پھٹکو
کہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے مگر شیطان نے ان کو جنت سے اکھاڑ دیا اور وہ
جس خوشحالی میں تھے اس سے ان کو نکلوا دیا" (۲ : ۴)

اور جب کہ تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک کالے سڑے ہوئے سوکھے
گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں پھر جب میں اس میں اپنی روح میں سے
کچھ پھونک دوں تو تم اس کے لئے سربسجود گر جانا، چنانچہ تمام فرشتوں نے
سجدہ کیا۔ بجز ابلیس کے کہ اس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار
کر دیا۔ خدا نے کہا ابلیس! تجھے کیا ہو گیا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں
ہوتا، ابلیس نے کہا میں ایسا نہیں ہوں کہ اس بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے کالے
سڑے ہوئے سوکھے گارے سے بنایا ہے۔ خدا نے کہا تو جنت سے نکل جا کہ تو راندۂ
درگاہ ہے اور یوم الجزا تک تجھ پر پھٹکار ہے" (۱۵ : ۳)۔

اس مضمون کو مختلف طریقوں سے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے
اور ان کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو خدا نے زمین میں اپنا نائب بنایا، اس کو فرشتوں سے بڑھ کر
علم دیا، اس کے علم کو فرشتوں کی تسبیح و تقدیس پر ترجیح دی، فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے اس نائب کو
سجدہ کرو: فرشتوں نے اس کو سجدہ کر لیا، اور اس طرح ملکوتیت اس کے آگے جھک گئی، مگر ابلیس نے
انکار کیا اور اس طرح شیطانی قوتیں انسان کے آگے نہ جھکیں، حقیقت میں تو وہ مٹی کا ایک حقیر پتلا تھا
مگر خدا نے اس میں جو روح پھونکی تھی اور اس کو جو علم بخشا تھا اس نے اس کو نیابت خداوندی کا
اہل بنایا۔ فرشتوں نے اس کی اس فضیلت کو تسلیم کر لیا، اور اس کے آگے جھک گئے لیکن شیطان نے
اس کو تسلیم نہ کیا، اس جرم میں شیطان پر لعنت کی گئی، مگر اس نے قیامت تک کے لئے مہلت مانگ لی

که انسان کو بہکانیکی کوشش کرے، چنانچہ شیطان نے انسان کو بہکایا، جنت سے نکلوایا، اور اس وقت سے انسان اور شیطان میں کشمکش برپا ہے، خدا نے انسان سے کہدیا کہ جو ہدایت میں تجھے بھیجوں اس کو مانے گا تو جنت میں جائے گا۔ اور اپنے ازلی دشمن شیطان کا حکم مانے گا تو دوزخ تیرا ٹھکانا ہو گا۔

منصب نیابت کی تشریح اس بیان سے چند امور معلوم ہوتے ہیں:۔

انسان کی حیثیت اس دنیا میں خدا کے خلیفہ کی ہے خلیفہ کہتے ہیں نائب کو۔ نائب کا کام یہ ہے کہ جس کا وہ نائب ہے اس کی اطاعت کرے وہ نہ تو اس کے سوا کسی اور کی اطاعت کرسکتا ہے کہ ایسا کرے تو باغی سمجھا جائے گا، اور نہ وہ اس کا مجاز ہے کہ اپنے آقا کی رعیت اور اس کے نوکروں اور خادموں اور غلاموں کو خود اپنی رعیت اپنا نوکر اپنا خادم اپنا غلام بنالے کہ ایسا کرے گا تب بھی باغی قرار دیا جائے گا، اور دونوں حالتوں میں سزا کا مستحق ہوگا اس کو جس جگہ نائب بنایا گیا ہے، وہاں وہ اپنے آقا کی املاک میں تصرف کرسکتا ہے، ان کو استعمال کرسکتا ہے۔ اس کی رعیت پر حکومت کرسکتا ہے اس سے خدمت لے سکتا ہے، ان کی نگرانی کرسکتا ہے مگر اس حیثیت سے نہیں کہ وہ خود آقا ہے، اور نہ اس حیثیت سے کہ اس آقا کے سوا کسی اور کا ماتحت ہے۔ بلکہ صرف اس حیثیت سے کہ وہ اپنے آقا کا نائب ہے اور جتنی چیزیں اسکی زیر حکم ہیں ان پر اپنے آقا کا امین ہے، اس بنا پر وہ سچا اور پسندیدہ اور مستحق انعام نائب اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ اپنے آقا کی امانت میں خیانت نہ کرے، اس کی ہدایت پر عمل کرے، اس کے احکام سے سرتابی نہ کرے۔ اس کی املاک اس کی رعیت اس کے نوکروں اس کے خادموں اور اس کے غلاموں پر حکومت کرنے ان سے خدمت لینے ان میں تصرف کرنے اور ان کی نگرانی کرنے میں اس کے بنائے ہوئے قوانین پر کاربند ہو۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو نائب نہیں باغی ہوگا۔ پسندیدہ نہیں مردود

ہو گا مستحق انعام نہیں مستوجب سزا ہو گا۔

فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ - وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۲: ۴)

تو جس نے میری ہدایات کی پیروی کی ایسے لوگوں کے لئے کسی سزا کا خوف اور کسی نامرادی کا رنج نہیں ہے اور جنہوں نے نافرمانی کی اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے

نائب اور امین خود مختار نہیں ہوتا، کہ اپنی مرضی سے جو چاہے کرے اپنے آقا کے مال اور اس کی رعیت میں جیسا چاہیے تصرف کرے، اور اس سے کوئی پوچھنے والا نہ ہو بلکہ وہ اپنے آقا کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے اس کو پائی پائی کا حساب دینا ہوتا ہے اس کا آقا اس کی ہر حرکت کے متعلق سوال کر سکتا ہے، اور اس کی امانت اس کے مال اور اس کی رعیت میں اس نے جس طرح تصرف کیا ہے اس کے لئے اس کو ذمہ دار قرار دے کر جزا اور سزا دے سکتا ہے،

نائب کا اولین فرض یہ ہے کہ جس کا وہ نائب ہے اس کی فرمانروائی، اس کی حکومت، اور اس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرے اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو نہ اپنے نائب ہونے کی حیثیت کو سمجھ سکے گا نہ دینے امین ہونے کے منصب کا کوئی صحیح تصور اس کے ذہن میں پیدا ہو گا، نہ اپنے ذمہ دار، اور جواب دہ ہونے کا احساس کر سکے گا، اور نہ اس امانت میں جو اس کے سپرد کیگئی ہے اپنی ذمہ داریاں اور اپنے فرائض صحیح طور پر ادا کرنے کے قابل ہو گا۔ اول تو یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی دوسرے تخیل کے تحت انسان وہ طرز عمل اختیار کر سکے جو نیابت و امانت کے تخیل کے تحت وہ اختیار کرے گا۔ اور اگر بفرض محال اس کا طرز عمل ویسا ہو بھی تو اس کی کوئی قیمت نہیں، کیونکہ آقا کی فرمانروائی تسلیم کرنے سے انکار کر کے تو وہ پہلے ہی باغی ہو چکا ہے اب اگر اس نے اپنے نفس یا کسی اور کے اتباع میں اچھے عمل کئے بھی تو اس کا اجر اس سے طلب کرے جس کا اس نے اتباع کیا ہے۔ اس کے آقا کے ہاں اس کے وہ اعمال بے کار ہیں۔

انسان اپنی اصل کے اعتبار سے ایک حقیر مخلوق ہے مگر اس کو جو عزت حاصل ہوئی ہے وہ اس روح کی بنا پر ہے جو اس میں پھونکی گئی ہے اور اس نیابت الٰہی کی بنا پر ہے جو اسے اس زمین میں عطا کی گئی ہے اب اس عزت کی حفاظت منحصر ہے اس پر کہ وہ شیطان کی پیروی کر کے اپنی روح کو گندہ نہ کر دے اور اپنے آپ کو نیابت کے درجہ سے گرا کر بغاوت کے مرتبے میں نہ لے جائے کیونکہ اس حالت میں وہ پھر وہی ایک حقیر ہستی رہ جائے گا۔

ملکوتی طاقتیں انسان کے نائب خدا ہونے کو تسلیم کر چکی ہیں اور وہ اس کے آگے بحیثیت نائب خدا ہونے کے جھکی ہوئی ہیں، مگر شیطانی طاقتیں اس کی نیابت کو تسلیم نہیں کرتیں اور وہ اسے اپنا تابع بنانا چاہتی ہیں۔ انسان اگر اس دنیا میں نیابت الٰہی کا حق ادا کرے گا اور خدا کی ہدایت پر چلے گا تو ملکوتی طاقتیں اس کا ساتھ دیں گی۔ ملائکہ کی فوجیں اس کے لئے اتریں گی وہ عالم ملکوت کو کبھی اپنے سے منحرف نہ پائے گا۔ اور اس کی طاقتوں سے شیطان اور اس کے لشکروں کو مغلوب کر لے گا لیکن اگر وہ نیابت کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرے گا اور خدا کی ہدایت پر نہ چلے گا۔ تو ملکوتی طاقتیں اس کا ساتھ چھوڑ دیں گی، کیونکہ اس طرح وہ خود اپنے منصب نیابت سے دست بردار ہو چکا ہو گا۔ اور جب اس کا ساتھ دینے والی کوئی طاقت نہ رہیگی اور وہ محض مٹی کا ایک پتلا رہ جائے گا۔ تو شیطانی قوتیں اس پر غالب آجائیں گی۔ اور پھر شیطان اور اس کے لشکر ہی اس کے حمایتی اور مددگار رہوں گے، انہی کے احکام کی وہ پیروی کریگا، اور انہی کا سا انجام اس کا بھی ہو گا۔

نائب خدا ہونے کی حیثیت سے انسان کا درجہ دنیا کی تمام چیزوں سے افضل اور اعلیٰ ہے، دنیا کی تمام چیزیں اس کی ماتحت ہیں، اور اس لئے ہیں کہ وہ ان کو استعمال کرے اور اپنے آقا کے بتائے ہوئے طریقہ پر ان سے خدمت لے، ان ماتحتوں کے آگے جھکنا اس [illegible] کے لئے ذلیل ہے

اگر وہ جھکے گا تو اپنے اوپر آپ ظلم کریگا، اور گویا نیابت الٰہی کے منصب سے خود دست بردار ہوجائیگا لیکن ایک ہستی ایسی ہے جس کے سامنے جھکنا اور جس کی اطاعت کرنا اس کا فرض ہے، اور جس کو سجدہ کرنے میں اس کے لئے عزت ہے۔ وہ ہستی کونسی ہے؟ خدا، اس کا آقا، وہ جس نے انسان کو اپنا نائب بنایا ہے۔

نوع انسانی کا کوئی مخصوص فرد یا مخصوص گروہ نائب خدا نہیں ہے، بلکہ پوری نوع انسانی نیابت الٰہی کے منصب پر سرفراز کی گئی ہے اور ہر انسان خلیفہ خدا ہونے کی حیثیت سے دوسرے انسان کے برابر ہے، اس لئے نہ کسی انسان کو دوسرے انسان کے آگے جھکنا چاہئے اور نہ کسی انسان کو یہ حق ہے کہ اپنے آگے جھکنے کا کسی دوسرے انسان سے مطالبہ کرے ایک انسان دوسرے انسان سے صرف اس چیز کا مطالبہ کرسکتا ہے کہ وہ آقا کے حکم اور اس کی ہدایت کی پیروی کرے اس معاملہ میں پیروی کرنے والا آمر ہوگا۔ اور پیروی نہ کرنے والا مامور کیونکہ جو نیابت کا حق ادا کرتا ہے، وہ حق نیابت ادا نکرنے والے سے افضل ہے۔ مگر فضیلت کے معنی یہ نہیں کہ وہ خود اس کا آقا ہے نیابت اور امانت کا منصب ہر انسان کو شخصاً شخصاً حاصل ہے، اس میں کوئی مشترک ذمہ داری نہیں ہے، اس لئے ہر شخص اپنی اپنی جگہ اس منصب کی ذمہ داریوں کے بارے میں جواب دہ ہے نہ ایک پر دوسرے کے عمل کی جوابدہی عائد ہوتی ہے نہ ایک کو دوسرے کے عمل کا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے نہ کوئی کسی کو اس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کرسکتا ہے اور نہ کسی کی غلط روی کا وبال دوسرے پر پڑسکتا ہے۔

انسان جب تک زمین میں ہے اور جب تک مٹی کے پتلے (جسد انسانی) اور خدا کی پھونکی ہوئی روح میں تعلق باقی ہے، اس وقت تک وہ خدا کا نائب ہے۔ یہ تعلق منقطع ہوتے ہی وہ خلافت ارضی کے منصب سے الگ ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد قدرتی طور پر اس کے زمانۂ

نیابت کے افعال و اعمال کی جانچ پڑتال ہونی چاہیے اس کے سپرد جو امانت کی گئی تھی اس کا حساب کتاب ہونا چاہیے اس پر نائب ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں عائد کی گئی تھیں ان کی تحقیقات ہونی چاہیے کہ اس نے ان کو کس طرح انجام دیا، اگر اس نے غبن، خیانت، نافرمانی بغاوت اور نا فرض شناسی کی ہے تو اس کو سزا ملنی چاہیے۔ اور اگر ایمانداری، فرض شناسی اطاعت گوشی سے کام کیا ہے تو اس کا انعام بھی ملنا ضروری ہے۔

(باقی)

فہم قرآن

از

جناب ذوقی شاہ صاحب

ہر کلام اپنے کلیم کے کمالات معنوی کا آئینہ ہے۔ ہر کلام اپنے کلیم کی رفعتِ شان، فضیلتِ علمی، وسعتِ نظر اور خصوصیاتِ ذاتی کی جانب رہنمائی کرتا ہے لیکن اس رہنمائی سے ہر کس و ناکس یکساں طور پر فائدہ نہیں اٹھا سکتا، فائدہ اٹھانے کے لئے انسان میں ایک گونہ اہلیت کی ضرورت ہے کسی فن کی کتاب کا مطالعہ کیجئے، جب تک اس فن سے آپ کو کسی قدر مناسبت نہ ہوگی جبتک اس فن کے مبادیات سے آپ کافی حد تک آگاہ نہ ہوں گے، جبتک ایک اہلیت خاص آپ میں اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کی حاصل نہ ہو جائے گی آپ اس کتاب سے کما حقہٗ مستفید نہ ہو سکیں گے، ایک طب کی کتاب کا حق جس خوبی سے ایک طبیب ادا کر سکتا ہے وہ شخص جو طب سے نا آشنا ہے ہرگز نہ ادا کر سکے گا۔ طلبۂ علم کے لئے اگر کتاب کا صرف کتاب ہونا ہی کافی ہوتا تو مبتدیوں کو منتہیوں کی کتابوں کا مطالعہ اتنا ہی مفید ثابت ہوتا جتنا کہ منتہیوں کو۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ ہر جماعت کے طلبا کے لئے ان کی استعداد کو ملحوظ رکھکر کورس تجویز کیا جاتا ہے اور اس تخصیص و تقسیم کا لحاظ نہ رکھنا نہ صرف غیر مفید بلکہ بااوقات مُضر ثابت ہوتا ہے۔ صرف طلب علم ہی پر موقوف نہیں۔ بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں کسی چیز کے مفید یا غیر مفید، مُضر یا غیر مُضر ہونے میں اہلیت کو بہت کچھ دخل ہے۔ آپ ایک تلوار کسی نا اہل کے ہاتھ میں دیدیجئے، روپیہ کسی نا اہل کی جیب میں ڈالدیجئے، حکومت کسی نا اہل کے حوالہ کر دیجئے۔ پھر دیکھئے کیا تماشہ نظر آتا ہے۔

اس مناسبت کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جو کسی تصنیف کے مضامین و مطالب پر حاوی ہونے میں زیادہ ممد و معاون اور بصیرت مطلوبہ کے حصول میں زیادہ کارآمد ثابت ہوتی ہے، وہ مصنف کی ذات کے متعلق کسی قدر آگاہی ہے، اگر آپ مصنف کی طبیعت کی افتاد، اس کے انداز بیان، اس کے ذاتی رجحانات اس کے مزاج کی سنجیدگی و متانت یا شوخی اور چلبلے پن سے واقف ہیں۔ اور جس فن کی تصنیف کا آپ مطالعہ فرما رہے ہیں۔ اس فن سے بھی آپ کچھ مناسبت رکھتے ہیں تو یقیناً اس تصنیف سے آپ زیادہ لطف اور زیادہ نفع اٹھا سکتے ہیں بہ نسبت اس شخص کے جو اس فن سے تو کسیقدر مناسبت رکھتا ہے مگر خصوصیات مصنف کا عارف نہیں۔

یہ سب ملکر تین چیزیں ہوئیں جو آپس میں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔

(۱) مضمون خاص سے مناسبت۔

(۲) مطالعہ کتاب۔

(۳) مصنف کے متعلق قدرے عرفان۔

ان کا ارتباط باہمی اور آپس میں ایک دوسرے پر منحصر ہونا مبتدی کے لئے سخت مشکل پیدا کرتا ہے، مناسبت کے بغیر مطالعہ کتاب بے سود ہے اور مطالعہ کے بغیر مناسبت نہیں پیدا ہوتی تصنیف پر عبور حاصل کئے بغیر مصنف کی ذاتی خصوصیات سمجھ میں نہیں آتیں اور مصنف کی ذاتی خصوصیات سمجھے بغیر کوئی طالب العلم تصنیف کی گہرائیوں میں نہیں اتر سکتا۔ ایسی صورت میں ایک مبتدی جو ان تینوں باتوں سے محروم ہے، جس کے ہاتھ میں زنجیر کی ان تین کڑیوں میں سے ایک بھی نہیں کیونکر، اپنے مقصود تک رسائی پا سکتا ہے؟ ایک چوتھی کڑی ایجاد کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔ جو ان تین کڑیوں اور طالب العلم کے درمیان بہ آسانی واسطہ بن سکے۔ اس چوتھی

کڑی کا نام استاد ہے جس کے بغیر طالب علم کا حصول مراد تک پہنچنا محال ہے تفہیم قرآن کی بحث میں بھی یہی نکتہ ضرورتِ نبوت کو ظاہر کرتا ہے۔

کلام الٰہی سے بھی سب یکساں طور پر فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ یہاں بھی ع

بعض را ہادی و بعضے را مُضِل

کا مضمون پیش آتا ہے۔ حق تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ۔ (۲: ۲۶)

"گمراہ کرتا ہے ساتھ اس کے بہتوں کو اور راہ دکھاتا ہے ساتھ اس کے بہتوں کو۔ اور نہیں گمراہ کرتا ساتھ اس کے مگر فاسقوں کو۔"

صاف فرما دیا گیا ہے کہ جہاں قرآن سے لوگ بکثرت ہدایت پاتے ہیں وہاں بکثرت اس سے لوگ گمراہ بھی ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی بھی صراحت فرما دی گئی ہے کہ گمراہ وہی ہوتے ہیں جن کے دل فسق و فجور کی نجاست سے آلودہ ہوں۔ پھر ایک دوسرے موقع پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا۔ (۱۷: ۴۵ و ۴۶)

اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے درمیان ایک پردہ مستور حائل کر دیتے ہیں۔ اور ہم ان کے دلوں پر حجاب ڈال دیتے ہیں جس سے وہ اس (قرآن) کو سمجھ نہیں سکتے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دیتے ہیں۔

بھلا ایسے محجوبین کو قرآن عظیم سے کیا نفع حاصل ہو سکتا ہے اور حقائق و معارف قرآنی پر ان کی نگاہ کیسے جا سکتی ہے اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ :-

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ — یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا
(۶ : ۱۴۵)

جب ظالم لوگوں کی ہدایت کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا ہے تو قرآن سے وہ کیونکر رہنمائی پا سکتے ہیں، ظالموں کی فہرست میں جو لوگ شامل ہیں ان کی تفصیل بھی قرآن ہی سے دریافت کریجئے۔

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (۳۱ : ۱۳) "تحقیق کہ شرک بڑا ظلم ہے"

ثابت ہوا کہ شرک قرآن کے فہم اور اس سے ہدایت کے حصول میں سد راہ ہے۔ یہاں شرک جلی یا شرک خفی کی کوئی تخصیص نہیں۔ ہر شرک باعث گمراہی ہے۔

وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ (۶۵ : ۱) "اور جو شخص اللہ کے (قائم کردہ) حدود سے نکل جائے تحقیق کہ اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔"

وہ حدود قوانین قدرت سے متعلق ہوں، یا قوانین اخلاق سے، یا قوانین واخ سے یا قوانین شریعت سے جو شخص ان حدود سے تجاوز کرے گا۔ وہ اس اعتدال اور اس اہلیت سے محروم ہے، جو قرآن سے فائدہ اٹھانے کے لئے ضروری ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَتَمَ شَھَادَۃً عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰہِ (۲ : ۱۴۰) "اور ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کا اخفا کرے جو اس کے پاس منجانب اللہ پہنچی ہو۔"

یورپ و امریکہ کے وہ مستشرقین و مصنفین اور بزعم خود وہ محققین جو قومی ملکی اور ذاتی تعصب کی بنا پر دیدہ و دانستہ اسلام کی صورت کو مسخ کرکے دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور آیات اللہ اور ان کی خوبیوں کو چھپاتے ہیں۔ ان کے لئے بھی خزائن قرآنی کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا جو کچھ وہ اسلام کے متعلق کہتے ہیں یا اور لکھتے ہیں اس کو اسلام اور قرآن کی

صحیح تعلیم سے کوئی واسطہ نہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْہِ شَیْءٌ (۶:۹۴)

اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آتی؟

اس آیت کی رو سے جو لوگ پیغمبر ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں اور غلط مشہور کرتے ہیں کہ انہیں الہام ہوتا ہے اور اپنے جھوٹے الہامات کو بڑی آب و تاب سے شائع کرتے ہیں وہ سب کے سب مع اپنے حواریوں اور اپنی جماعت کے لوگوں کے قرآن کے صحیح مفہوم تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ ان لوگوں کی غلط تفسیر اور رکیک تاویلات پر اعتماد کرنا اپنے آپ کو صریح گمراہی میں ڈالنا ہے

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ - (۶:۱۴۵)

پس اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے تاکہ لوگوں کو بغیر علم کے گمراہ کرے یقیناً اللہ تعالیٰ ظالموں کی ہدایت نہیں فرماتا۔

غلط فتویٰ دینا اور غلط مسائل بیان کرنا اور متنبہ ہو جانے کے بعد بھی اپنی غلطیوں پر اڑنا بھی اللہ پر تہمت بندی ہے جو لوگ غلط باتیں حق تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ خواہ گمراہی سیاسیات سے متعلق ہو یا اقتصادیات سے یا تمدنی امور سے عبادات میں ہو یا معاملات میں بہرحال اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو اپنے جہل سے یا تابع نفس ہو کر حلال اور حلال کو حرام قرار دینے والے ان ظالموں میں شمار کئے گئے ہیں جن سے ہدایت چھین لی گئی ہے اور مفہوم قرآن کے متعلق ان کے اقوال مستند نہیں۔

فَقَدْ جَآءَکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ ج فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَذَّبَ

پس تحقیق تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک کتاب واضح اور ہدایت اور رحمت آ چکی ہے۔ تو اس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو ہماری ان آیتوں کو جھٹلا دے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا (۶ : ۱۵۸) اور ان سے گریز کرے۔

ثابت یہ ہوا کہ ادیان باطلہ کے متبعین جو کہ قرآن کے کھلم کھلا منکر ہیں معانی قرآن کے حامل اور مفسر قرآن کسی صورت سے نہیں ہو سکتے۔ مزید غور کیجئے کہ حق تعالیٰ کیا فرماتا ہے:۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا - (۱۸ : ۵۷)

"اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اپنے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے پھر وہ اس سے روگردانی کرے اور اپنے ہاتھوں کے کرتوت کو بھی دل سے بھلا دے تحقیق ہم نے ایسے لوگوں کے دلوں پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے دلوں میں ڈاٹ لگا دی ہے (بدیں وجہ) اگر ان کو راہ راست کی جانب بلاویں تب بھی وہ سیدھے راستہ پر ہرگز ہرگز نہ آویں گے"

جس طرح اپنے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق حق تعالیٰ زہر کھانے والے کو ہلاک کر دیتا ہے۔ آگ میں ہاتھ رکھنے والے کا ہاتھ جلا دیتا ہے۔ ٹھنڈے پانی سے پیاسے کی پیاس بجھا دیتا ہے۔ اسی طرح ضد ہٹ دھرمی کبر و غرور کی وجہ سے حق بات نہ سننے نصیحت قبول نہ کرنے، اور اپنی بداعمالیوں کی پرواہ نہ کرنے سے حق تعالیٰ انسان کو قبول حق کی صلاحیت اور تفقہ فی الدین کی دولت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم کر دیتا ہے۔ قرآن میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی روشنی نہیں۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ - (۲ : ۱۴۵)

اگر آپ اہل کتاب کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگیں بعد اس کے کہ آپ کے پاس کچھ علم آ چکا ہے تو یقیناً ایسی صورت میں آپ کا بھی شمار ظالموں میں ہوگا۔

کیسی شدید وعید ہے ان لوگوں کے حق میں جو دیدہ و دانستہ دوسروں کی ناجائز خواہشات کی

پیروی کرنے لگتے ہیں۔ نہ صرف دوسروں کی بلکہ اپنی خواہشات نفس کی پیروی بھی ہدایت سے محروم کردیتی ہے کیونکہ اپنے نفس کو معبود بنالینا اور اس کے آگے سر تسلیم خم کردینا بھی شرک ہے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ (۲۳:۴۵)

کیا دیکھا آپ نے اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا اور (بوجہ اسکے) اللہ نے اس کو باوجود علم (رسمی) کے گمراہ کردیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی سماعت اور اس کے دل پر مہر لگادی اور اس کی بینائی پر پردہ ڈالدیا۔ بھلا ایسے شخص کو بعد اس کے کہ اسے خدا نے گمراہ کردیا ہو کون راہ راست پر لاسکتا ہے پس کیا نصیحت نہیں پکڑتے۔

حرص وہوا کے بندے مشرک ہیں ظالم ہیں اور ہدایت ربانی سے محروم ہیں قرآن سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت ان لوگوں میں نہیں ہوتی دوسرے موقع پر حق تعالیٰ منکر قرآن و مائل بہ دنیا و مطیع نفس کی بابت فرماتا ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ ۚ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث ۚ ذَّٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۱۷۶:۷)

اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیات کی بدولت بلند مرتبہ کردیتے لیکن وہ دنیا کی طرف مائل ہوگیا اور اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے لگا پس اس کی حالت کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہ مثال ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا پس آپ اس حال کو بیان کردیجئے تاکہ وہ لوگ کچھ غور و فکر کریں

اس نوعیت کے لوگوں کی بابت آگے چلکر اسی سورۂ اعراف میں آیا ہے کہ :-

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (۷ : ۱۷۹)

"ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے ہی نہیں اور انکی آنکھیں ہیں جنسے وہ دیکھتے ہی نہیں۔ اور اُن کے کان ہیں جنسے وہ سنتے ہی نہیں۔ یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہ لوگ غافل ہیں"

اندھے بہرے خالی الذہن جانور بلکہ جانوروں سے بھی بدتر لوگ بھلا حقائق و معارف قرآنی تک کیسے راہ پا سکتے ہیں۔ دو گروہ ہیں دونوں میں فرق۔ مومن و کافر، نیک و بد، اہل و نا اہل دونوں میں زمین و آسمان کا فرق، دونوں کی صلاحیت میں فرق۔ دونوں کے فہم میں فرق۔ دونوں کے انجام میں فرق:-

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ۔ (۱۱ : ۲۴)

مثال دونوں کی ایسی ہے جیسے کہ ایک تو اندھا بھی ہو اور بہرا بھی اور دوسرا دیکھنے والا بھی اور سننے والا بھی کیا دونوں یکساں ہیں؟ پس کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے۔

حق تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے کہ :-

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ (۴۰ - ۲۸)

تحقیق اللہ تعالیٰ مسرف کذاب کی رہنمائی نہیں فرماتا

معلوم ہوا کہ جملہ اقسام کی اقتصادی و اخلاقی بے اعتدالیاں صلاحیت ہدایت کے منافی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ قرآن ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ہے (۶ : ۹۱) بَيَانٌ لِّلنَّاسِ ہے

اگر وہ ھُدًی وَّمَوْعِظَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ بھی ہے (۳: ۱۳۷) یعنی دنیا کا ہر شخص اس سے فائدہ اٹھانے کی اپنے میں صلاحیت پیدا کر سکتا ہے مگر فائدہ اٹھاتا وہی ہے جو اپنے میں اس کی صلاحیت پیدا کرلے :-

لَا یَمَسُّہٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (۵۶: ۷۹) "نہیں ہاتھ لگاتے اس کو مگر پاک لوگ"

جس طرح نجاست ظاہری کی حالت میں قرآن کے ظاہر کو ہاتھ لگانا منع ہے اسی طرح نجاست باطنی کی حالت میں قرآن کے باطن کو بھی ہاتھ نہیں لگایا جاسکتا۔ صاف فرمادیا گیا ہے کہ:-

ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (۲ : ۲) "ہدایت ہے متقین کے لئے۔

ھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (۱۰: ۵۷) ہدایت ورحمت برائے مومنین۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا (۱۷: ۸۲) اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیز کہ اس میں شفا و رحمت ہے برائے مؤمنین اور زیادتی، خسارہ برائے ظالمین"

قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی وَّشِفَآءٌ وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَیْهِمْ عَمًی اُولٰٓئِكَ یُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ (۴۱: ۴۴) آپ کہدیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لئے تو ہدایت و شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور قرآن ان کے حق میں نابینائی ہے اور یہ لوگ (بوجہ نااہل ہونے کے) ایسی جگہ سے پکارے جاتے ہیں جو ان کے لئے بڑی دور ہے"

وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَۃٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِیْنَ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَۃٌ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ - (۶۹: ۴۸، ۴۹، ۵۰) اور بلاشبہ یہ قرآن متقیوں کے لئے نصیحت ہے اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض اس کی تکذیب کرتے ہیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ قرآن کافروں کے لئے حسرت ہے"۔

متذکرہ بالا آیات قرآنی پر غور کرنے سے صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ قرآن فہمی کیلئے بھی صلاحیت کی ضرورت ہے اور اس صلاحیت کے حصول کے لئے صرف عربی دانی ہی کافی نہیں بلکہ تزکیہ نفس، تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح کی بھی بڑی ضرورت ہے معصیت و فسق و فجور کی جانب دل میں رغبت، عقیدہ میں ضعف یعنی شک و شبہ کی بیماری کا دل پر تسلط، شرک جسکا مقام اصلی قلب ہے، طبیعت کی بے اعتدالیاں اخفار حق پر آمادہ کرنے والی دل کی شرارتیں کذب و بہتان نفس امارہ کی غلامی حب دنیا طلب جاہ و شہرت، یہ تمام باتیں باطنی خرابیوں پر دلالت کرتی ہیں اور یہ جملہ باطنی خرابیاں قرآن سے محرومی کا باعث قرار دی گئی ہیں۔ برعکس اس کے تقویٰ اور ایمان وہ باطنی خوبیاں ہیں جنکی بدولت قرآن ہدایت و رحمت ثابت ہوتا ہے، اس میں شک نہیں کہ قرآن علی الاطلاق ہدایت ہے مگر اس ہدایت کا حصول منحصر کر دیا گیا ہے شرح صدر پر حق تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (۶ : ۱۲۶)

پس جبکہ ارادہ فرماتا ہے اللہ کہ ہدایت فرمائے کسی کو شرح صدر عطا فرماتا ہے یعنی کشادہ فرما دیتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے۔

اور جب کسی کو شرح صدر کی دولت سے نوازتا ہے تو اسے اپنے نور خاص سے ممتاز فرما لیتا ہے

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ - (۳۹ - ۲۲)

پس جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے وہ اپنے پروردگار کی طرف سے ایک نور پر ہوتا ہے یعنی اللہ کی عطا کردہ روشنی میں چلتا ہے۔

اسی سلسلہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب یہ نور سینہ میں داخل ہوتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے اصحاب کرام نے جب اس حالت کی شناخت کے لئے آپ سے ظاہری علامات دریافت کئے تو

آپ نے فرمایا کہ علامات یہ ہیں کہ دار الغرور یعنی دنیا سے دل ہٹ جاتا ہے اور آخرت کی جانب رجوع ہوجاتا ہے اور ایسا شخص موت کے آنے سے پہلے موت کے لئے تیار رہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہ حدیث بھی روایت کی گئی ہے کہ :۔

"جس وقت دیکھو تم بندہ کو کہ اس کو دنیا سے بے رغبتی اور کم گوئی عطا کی جاتی ہے تو نزدیکی ڈھونڈو اس سے اس لئے کہ تحقیق اسے تعلیم دی جارہی ہے حکمت کی"۔ (بیہقی فی شعب الایمان)

ثابت ہوا کہ وہ علم جو حقیقۃً حکمت ہے اور جسے اللہ و رسول نے بھی حکمت فرمایا ہے تزکیۂ نفس اور طہارت باطن ہی کی صورت میں عطا فرمایا جاتا ہے۔ یہی حکمت وہ حکمت ہے جس سے یکسوئی اور اطمینان قلب کی دولت نصیب ہوتی ہے اور جملہ امور میں بصیرت صحیحہ پیدا ہوتی ہے اس کے علاوہ جس چیز کو غلط طور پر حکمت سمجھ لیا گیا ہے اس سے بجز انتشار و پراگندگی و تاریکی و توہمات و پستی و بربادی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

طہارت باطنی کے حصول کے لئے اُستاد کی ضرورت ہے سنت الٰہی اسیطرح جاری ہوئی ہے۔ ہماری ہدایت کے لئے قرآن ہی پر اکتفا نہ فرمایا گیا بلکہ قرآن کو ہمارے لئے مفید بنانے اور ہماری ہدایت کی تکمیل عمل میں لانے کی غرض سے قرآن کے ساتھ ہمارے پاس رسول بھیجا گیا جو روزمرہ کی زندگی میں رات دن ہمارے ساتھ چل کر دستاد بن کر ہم میں رہا بسا ہمیں قرآن سنایا قرآن سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ہم میں صلاحیت پیدا کی اور اس صلاحیت کے پیدا کرنے کے بعد ہمیں قرآن کی تعلیم دی اور قرآن کی گہرائیوں میں ہمیں اتارا یعنی حکمت کی تعلیم دی !۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (۲:۶۲)

وہ اللہ ہی ہے جسنے بھیجا ان پڑھوں کے درمیان
انھیں میں سے ایک پیغمبر (جو) پڑھتا ہے ان لوگوں کے سامنے
آیتیں اللہ کی اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے
ان کو کتاب و حکمت "۔

پیغمبر کے فرائض یہاں علی الترتیب بیان فرما دیے گئے ہیں۔

(۱) تلاوت قرآن۔

(۲) تزکیہ امت۔

(۳) تعلیم قرآن وحکمت۔

تلاوت قرآن کے ضمن میں علم مجمل بھی آگیا عمل کے لئے علم اجمالی کی ضرورت ہے۔ اس لئے سب سے پہلے علم اجمالی کا فیضان ہے۔ پھر عمل ہے جس سے تزکیہ نفس اور تصفیہ بطون کے حصول میں معاونت ہوتی ہے۔ تصفیہ بطون کے بعد علم تفصیلی اور حکمت آموزی کا نمبر آتا ہے۔

کچھ عرصہ ہوا میں نے رسالہ انوار القدس میں جو اس زمانہ میں بمبئی سے شائع ہوتا تھا ایک اور عنوان کے تحت میں مسئلہ کے اس پہلو پر مندرجہ ذیل الفاظ میں روشنی ڈالنے کی کوشش کی تھی۔

کتاب کے ساتھ کتاب سکھانے والا بھی بھیجا جاتا ہے۔ نسخہ کے ساتھ طبیب بھی آتا ہے بلکہ پہلے طبیب مبعوث ہوتا ہے پھر اس طبیب کی وساطت سے نسخہ مرحمت ہوتا ہے پھر وَیُزَکِّیھِمْ وہ طبیب جملہ ظاہری و باطنی بیماریوں کی آلائش سے امت کو پاک کر دیتا ہے پھر وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ - وہ طبیب اس نسخہ اور حکمت کی تعلیم کو دوسروں کو بھی دے دیتا ہے تاکہ وہ لوگ بھی اسی طرح دوسروں کی ظاہری و باطنی بیماریوں کو دور کر دیا کریں۔ اور لوگوں کی زندگیوں کو پاک بنا دیں۔

کسی عقلمند شخص کو انکار نہ ہوگا کہ مریض اپنی صحت کے لئے نسخے اور طبیب دونوں کا محتاج ہے۔ بلکہ نسخہ سے زیادہ وہ طبیب کا محتاج ہے اور طبیب کے نہ ہونے کی صورت میں نسخہ اس کے لئے بیکار بلکہ بسا اوقات مضر ثابت ہوتا ہے اس دنیا کے کارخانہ میں عموماً دیکھا گیا ہوگا۔ کہ ایک طبیب جسے طب کی کتابوں پر پورا عبور رہا اور لوگوں کے علاج میں بھی جس کا تجربہ بڑھا ہوا تھا جب کسی پیچیدہ مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔ تو باوجود اپنی طبی معلومات اور اپنے طبی تجربہ کے وہ اپنے لئے ایک دوسرے

طبیب کا محتاج ہوتا ہے تمام دنیا کا طبی ذخیرہ اس کے لئے بیکار ثابت ہوتا ہے تاوقتیکہ کسی ہم جنس کی صورت برزخ بنکر اس کے اور طبی ذخیرہ کے درمیان واسطہ نہ بنے۔ کاغذ کے اوراق اور ان پر سیاہ وسفید نقوش ہمجنسی کی کمی کو پورا نہیں کرسکتے روحانیات میں بھی مفیض او مستفیض کے درمیان مناسبت کی اشد ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا یعنے اگر لوگوں کے لئے ہم کسی فرشتہ کو بھیجتے تو اس کو بھی مرد ہی کی صورت بنا کر بھیجتے۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی فعل عبث نہیں۔ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ وہ زبردست حکمت والا ہے، اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ وہ اگر چاہتا تو صرف قرآن مجید بلا وساطت رسول نازل فرمادیتا لیکن کیا کوئی یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ محض ایک آسمانی کتاب کا کسی عجیب و غریب طریق سے زمین پر نازل ہوجانا دنیا میں وہ انقلاب پیدا کردیتا جو ایک مظہر اتم انسان کامل کی زبردست شخصیت اور بابرکت ذات سے پیدا ہوگیا کیا یہ حیرت کا مقام نہیں کہ ایام جاہلیت کے اجڈ عرب اور سادہ لوح بدویوں نے جب قرآن کے ذریعہ ہدایت حاصل کی اور ایک بہترین قوم بن گئے، وہی قرآن بغیر اس کے کہ اس میں ایک زبر یا زیر کا بھی فرق ہوا ہو اب بھی موجود ہے۔ یورپ کا علم دوست طبقہ اسے پڑھتا ہے اس کا ترجمہ یورپ کی مختلف زبانوں میں شائع کرتا ہے اس پر حاشیے چڑھاتا ہے بزعم خود اس کی تفسیر کرتا ہے۔ مگر اسے سمجھ نہیں سکتا اس سے ہدایت نہیں پاتا۔ زمانہ حال کے تعلیمیافتہ لوگ تسخیر برق و دخان میں ذہن رسا رکھنے والے آلات ہلاکت کی ایجاد میں ید طولیٰ رکھنے کے مدعی۔ زمین پر بیٹھے بیٹھے آسمانوں کی پیمائش اور تاروں کے طول و عرض اور رفتار گردش کا اندازہ کرلینے والے دنیا کے تمام علوم سابقہ کے خزانچی مترجم اور نقاد عرب کے جاہل بدویوں سے بھی کیا عقل و فہم میں بودے نکلے کہ جب قرآن مجید کی بدولت دنیا کی

بدترین قوم بہترین قوم بن گئی اُس قرآن مجید کے بیش بہا خزانوں تک رسائی پیدا کرنے میں نہ ان کی دوربینیں کسی کام آتی ہیں اور نہ ان کی "ایکس ریز" سے مطلب براری ہوتی ہے۔ اس محرومی کی آخر وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ عرب کے لوگوں کو جو مُعلّم الکتاب والحکمہ نصیب ہوا تھا وہ اہل یورپ کو نصیب نہیں ہوا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو امت کے دیگر افراد پر جو فضیلت حاصل ہے اس کا باعث اُسی معلم الکتب والحکمت کی صحبت یا فیض ہے۔ قرآن تو جو اصحاب رسول نہیں ان کو بھی ملا۔ اور انہوں نے قرآن کی خدمتیں بھی بڑی بڑی کیں۔ ترجمے کئے تفسیریں لکھیں عمل کیا۔ تعلیم دی۔ مگر صحابہ کے مرتبہ کو نہ پہنچے۔ اصحاب کے بعد تابعین کا مرتبہ ہے کیونکہ انہیں اصحاب کی صحبت نصیب ہوئی۔ پھر ان کے بعد تبع تابعین کا رتبہ ہے کیونکہ انہیں تابعین کا فیضان صحبت نصیب ہوا۔ مقربین کی صحبت سے روگردانی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بغیر اس کے کہ صحیح بصیرت پیدا ہو انسان اپنے فہم ناقص پر بھروسہ کر کے اپنے لئے خود ہی قرآن و حدیث سے مسائل استنباط کرنے لگتا ہے اور بزعم خود مجتہد بن بیٹھتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے ہاتھ سے اپنے پیر میں کلہاڑی مار لیتا ہے اور مثل اس جاہل مریض کے جو کتابیں دیکھ دیکھ کر اپنا علاج خود ہی کرتا ہے اپنی ہی غلط تشخیص اور غلط علاج کی بدولت ہلاک ہو جاتا ہے۔

اسلام میں جو بہتر فرقے آجکل مسلمانوں کے انتشار و اضمحلال کا باعث ہو رہے ہیں۔ انمیں سے جس فرقے سے جا کر پوچھیے اپنے عقائد کی تائید میں قرآن و حدیث ہی سے سند پیش کرے گا۔ ہر فرقہ کو ایک الگ فرقہ کسی ایسے شخص نے بنایا جسے اپنے علم و فضل کے متعلق انتہا درجہ کا گھمنڈ تھا۔ اور جسے ایک گروہ جید عالم بھی سمجھتا تھا۔ مگر باوجود اس کے وہ صراط مستقیم سے ہٹ گیا اور گمراہ ہو گیا اور دوسروں کی بھی گمراہی کا باعث بنا۔ اس خرابی کا اصلی باعث یہی ہوا کہ قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لئے صرف ونحو

اور لغت دانی کو کافی سمجھا گیا اور تاویلات کے لئے اپنی ذہانت پر پورا اعتماد کر لیا گیا فہم صحیح مذاق سلیم
اور بصیرت صادقہ کے حصول کے لئے جن امور کی ضرورت تھی ان سے استغنا برتا گیا فہم قرآن کی چابی
اس وقت تک ہاتھ نہیں آتی جبتک کہ تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن سے بندہ آراستہ نہ ہو جائے۔ جبتک کہ
کفر و شرک و نفسانیت، وبغض وحسد وریا وحب دولت ومال وحب جاہ وحشمت ورغبت دنیا ونظر
بر ماسوائے اللہ کی نجاستوں اور پلیدیوں سے بندہ کا باطن پاک وصاف نہ ہوئے حلاوت قرآن اور
قرآن کا صحیح فہم نصیب ہونا محال ہے اور یہ وہ روحانی امراض ہیں جن کے دفعیہ کے لئے مریض کسی
روحانی طبیب کا محتاج ہے۔ روحانی طبیب سے استفادہ کئے بغیر انسان قرآن پاک کی اصلی نعمتوں
سے محروم رہتا ہے"۔

اسی طبیب روحانی کو ابتدائے مضمون میں لفظ استاد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اطبا، امت جُبّہ
ودستار سے نہیں بنتے ہجبہ پوش علمار کے ہاتھ سے دستار بندی کی سالانہ رسم کی ادائیگی سے نہیں پیدا ہوتے
طول طویل تقریروں کی گرج اور تقریروں کے سیلاب سے انکا خمیر نہیں اٹھتا، بلکہ نبی برحق کی متابعت ظاہری
و باطنی اور مشکوٰۃ نبوۃ سے اقتباسِ انوار کی برکت سے کمالات نبوی سے وہ علیٰ قدر مراتب مزین ہوتے
ہیں۔ اور نیابت رسول و وراثت نبی کا حق ادا کرتے ہیں جبتک کہ مبلغین کا گروہ ان کمالات ظاہری
ومعنوی کو حاصل نہ کریگا تبلیغ کا حق ادا نہ کر سکے گا۔ اگر آپ یورپ، مادہ پرست یورپ، خدا کے نام
تک سے برگشتہ یورپ، انا ربکم الاعلیٰ کی صدائے فرعونی لگانے والے یورپ کی کثیف و
تاریک و تباہ کن فضار میں اللہ کی حیات بخش اور جان پرور آواز کسی با اثر طریقے سے پہونچانے کے
متمنی ہیں۔ اگر آپ ممالک اسلامی کے برائے نام مسلمان باشندوں کو سچا اور پکا مسلمان بنانے کے آرزو مند
ہیں۔ اگر آپ مشرق کے مغرب زدہ لوگوں کو مغربی تاریکی کی روسیاہیوں سے بچانے کے خواہشمند ہیں
اگر آپ اپنے پیارے رسول کی امت مرحومہ میں ہونے کا حق ادا کرنے اور پیروی، رسول کے ذوق میں

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ کی تعمیل کا کوئی جذبہ اپنے دل میں پاتے ہیں۔ تو خدا کے لئے مبلغین کی ایک ایسی جماعت پیدا کیجئے جو مبلغین کے اوصاف ضروری سے متصف ہو۔ چھاپہ خانہ کی آہنی مشینیں بخدا ان اوصاف سے بالکل خالی ہیں، طباعت، رسالت کا فرض انجام دینے سے قاصر ہے۔ ایک جماعت کی ضرورت ہے جیتے جاگتے بیدار متحرک انسانوں کی جماعت یہ نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سچے پکے مسلمانوں کی جماعت۔ مبلغین کی جماعت کی ضرورت ہے جو اللہ کے کلام پاک کی صحیح معنوں میں تبلیغ کرے۔ پھر وہ جماعت ضرورت زمانہ پر نظر ڈالکر خواہ درس تدریس سے، خواہ لکچروں اور تقریروں سے، خواہ کوئی اور صورت پیدا کرے۔ بہر حال یہ سب وقتی عارضی اور ہنگامی چیزیں ہونگی۔ اصل چیز جو مستقلاً ان کے اور دوسروں کے کام آیگی اور جو ان تمام ہنگامی صورتوں میں جان ڈالدیگی وہ ان کی ذاتی اخلاقی، روحانی، ایمانی اور صدق و اخلاص وللّٰہیت کی باطل شکن قوت ہوگی۔ جبتک کسی تبلیغی تحریک کے پس پشت یہ ذی روح یہ باطل شکن صدق پرور قوت نہ ہوگی غیر ذی روح کاغذ کے بوجھل بنڈلوں اور پیسہ دو پیسہ میں آنے جانے والے پیکٹوں سے مطلب براری ہرگز نہ ہوگی۔

افسوس ہے کہ ہندوستان میں صحیح قسم کے مبلغین کی جماعت تیار کرنے کا کسی معروف تعلیمگاہ میں کوئی معقول انتظام نہیں کہیں کچھ ہوتا بھی ہے تو طاہری اور رسمی علوم کی تعلیم کسی طرح کافی نہیں۔ ضرورت ہے کہ کسی با اثر شیخ کامل ومکمل کی زیر نگرانی ایک باقاعدہ خانقاہ کا افتتاح کیا جائے جس میں طالب دنیا نہیں، طالب شہرت نہیں، طالب وجاہت نہیں۔ بلکہ طالب اللہ پیدا کئے جائیں۔ یہ طالب اللہ تزکیہ وتصفیہ کے ضروری مراتب طے کرکے اور اس شیخ کامل سے باقاعدہ تعلیم وتلقین وتربیت حاصل کرکے معانی، قرآن کے سچے حامل نہیں تعلیم قرآن کا چلتا پھرتا نمونہ ہوں۔ اخلاق نبوی کا صحیح پرتو ہوں۔ اطوار اُن کے اسلام کا آئینہ ہوں۔ روش ان کی مقبول

خاص وعام ہو پھر دیکھیں کہ قرآن کے انوار یورپ وامریکہ کے تاریک گوشوں اور ممالک تاریک کی اخلاق سوز اور مذہب شکن فضا میں کیسے روشنی نہیں پھیلاتے۔ یورپ ان انوار کا محتاج ہے ساری دنیا ان انوار کی محتاج ہے۔ جو اضطراب، بربادی، اور خطرات آجکل دنیا کو پریشان کر رہے ہیں وہ صرف قرآن ہی کی شعاعوں سے دور ہو سکتے ہیں، اسی قرآن کی روشنی دنیا کے لئے رحمت ثابت ہوگی۔ ورنہ نجات کی کوئی دوسری صورت امکان میں نہیں۔ لہذا اچھے اور موثر پیرایہ میں قرآن کی تبلیغ صرف اسلام ہی کے لئے نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے مفید ہے۔ یہ قومی نہیں بلکہ بین الاقوامی مسئلہ ہے اور عالمگیر تحریک کا محتاج ہے۔ کسی ایک شخص کے کرنے کا کام نہیں ایک جماعت کا کام ہے اور جماعت بھی سمجھدار، معقول پسند، مخلص، نیک نیت، پاک طینت قوی العزم، اور متوکل باللہ لوگوں کی۔ اس برگزیدہ جماعت کے برگزیدہ حضرات اپنی انفرادی اور مجموعی کوششوں سے منفعت عامہ کے اس کار عظیم کا بیڑا اٹھائیں اور اللہ کی پیدا کی ہوئی دنیا میں اللہ کے نام کا بول بالا کریں۔ صدق وخلوص اور توکل وایمان کی قوت سے اللہ کا نام لیکر ہم لوگ اٹھ کھڑے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید غیبی کا ہماری امداد کے لئے بڑھنا بالکل یقینی ہے۔ صرف اٹھ کھڑے ہونا ہمارا فرض ہے۔ کیا ہم اپنے اس فرض کی ادائیگی کے لئے تیار ہیں ؟۔

الیس اللہ باحکم الحاکمین

سورۂ التین کی شرح و تفسیر

از

مولانا عبد اللہ العمادی

(۱)

تورات کی سفر تثنیہ (کتاب استثنا) میں ہے۔

پروردگار "سینا" سے آیا، اور "سعیر" سے ان پر تاباں ہوا،

اور "جبل فاران" سے روشن ہوا، اور "قدس" کے ٹیلوں سے آگیا" (۳۳ : ۲)

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے جس میں چار مقامات سے نور الٰہی کی تنویر و تابانی کے اشارے ہیں

"سینا" سے جو طور سینا کا دوسرا نام ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نور نبوت کا افاضہ ہوا اور

بنی اسرائیل کو غلامی سے آزادی دلانے کی تمہید بندھی"۔

کوہ "سعیر" سے جو بنی آدم کا پہلا مسکن تھا۔ احبار یہود اسے "ادوم" بھی کہتے ہیں کہ آدم کی نسبت

نمایاں رہے، عرب اس کو "جودی" یا اس سے متعلق قرار دیتے ہیں جو سفینہ نوحؑ کی قرارگاہ اور نسل آدم کی تجدید کی جائے

"فاران" کے جبال مکہ ہونے میں کیا کلام ہے جو دنیا کے لئے آخری شرع الٰہی کا محل نزول ہے

"قدس" بیت المقدس یا ہیکل سلیمانؑ یا فلسطین کا پورا علاقہ ہے جہاں رفع مسیحؑ سے چند ساعت پہلے

دنیا کو "فارقلیط" کی بعثت اور دین کا نظام مکمل کئے جانے کی بشارت ہوئی تھی۔

والتین، والزیتون، وطور سینین، وھٰذا البلد الامین، میں بھی اسی

تنویر کے جلوے ہیں۔

تورات نے جس پہاڑی کو "سعیر" اور مفسرین تورات نے جس کو "ادوم" قرار دیا ہے اُسکا قدیم نام "جبل التین" تھا، عکرمہؓ "تین" و "زیتون" دونوں کو دو پہاڑ کہتے ہیں اور عبداللہ بن العباسؓ "تین" کا محل وقوع کوہ جودی کا ایک قلّہ قرار دیتے ہیں جہاں حضرت نوح علیہ السلام عبادت کرتے تھے اور اسی لحاظ سے اس کو "مسجد نوح" بھی کہتے تھے۔ انسانی تاریخ کا یہ عظیم واقعہ یہیں پیش آیا تھا جس کی جانب کلام اللہ میں اشارہ ہے۔

قِیلَ یانوح اہبط بسلام منّا وبرکاتٍ علیك وعلیٰ امم ممن معك وامم سنمتعھم ثم یمسّھم منّا عذابٌ الیمٌ۔

"زیتون" وہی پہاڑ ہے جس پر مسیح علیہ السلام نے اپنے رفع سے پیشتر "فارقلیط" (نبی آخر الزماں) کی بشارت دی ہے۔ (لوقا - ۲۲: ۳۹ - ۵۲)

"طورسینین" پر قوم موسیٰؑ کو نعمت حرّیت عطا ہونے کا مژدہ ملا جس کا نتیجہ یہ تھا۔

وتمت کلمة ربك الحسنیٰ علیٰ بنی اسرائیل بما صبروا، ودمرنا ما کان یصنع فرعون وقومه وما کانوا یعرشون۔

"بلد امین" وہی تورات کا "فاران" ہے جہاں تاریخ کا وہ سب سے بڑا واقعہ پیش آیا کہ خود کلام اللہ نے اس کی تشریح فرمائی۔

واذ قال ابراھیم رب اجعل ھٰذا بلدًا امنا وارزق اھله من الثمرات ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم

یہ چار مقامات ہیں جہاں نظام عالم میں عظیم ترین تبدل و تغیر کے بڑے سے بڑے واقعات پیش آئے۔ انہی کو دین بھی کہہ سکتے ہیں یعنی جزا یا محل جزا۔ یہ مقامات جو دینی تغیر کے

اتنے بڑے مشاہدے رہ چکے ہیں، انہیں کو شہادت میں پیش کیا ہے کہ ایسے ایسے مشاہدات عظمیٰ کے بعد اب کسی کی کیا مجال کہ تکذیب دین کر سکے اور کرے بھی تو کیا اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین نہیں ؟

ایک بڑی جماعت ایسی بھی ہے جو سورۃ التین میں "تین وزیتون" کی تاویل انجیر و زیتون سے کرتی ہے۔ اس فریق کا استدلال یہ ہے :۔

الف۔ انجیر کی خصوصیت اس لئے قابل تذکرہ ہے کہ یہ غذا بھی ہے۔ میوہ بھی۔ اور دوا بھی

ب۔ انجیر بہترین میوہ ہے۔

ج۔ انجیر زود ہضم ہے ملین طبیعت ہے۔ اس سے بلغم کم ہوتا ہے۔ گردہ کے لئے مفید ہے ریگ مثانہ کی دوا ہے۔ بدن فربہ ہوتا ہے جگر و طحال کے مسامات کھل جاتے ہیں۔ بواسیر و نقرس کو گندہ دہنی کو نافع ہے انجیر کھانے والے پر فالج نہیں اثر کرتا۔ بدن کے فضلات خارج ہوتے ہیں بال بڑھتے ہیں

د۔ انجیر کا ظاہر و باطن دونوں یکساں ہے، نہ اخروٹ کی طرح اوپر چھلکا اور اندر مغز ہے اور نہ چھوارے کی طرح اوپر مغز اور اندر گٹھلی ہے۔

ہ)۔ درخت تین طرح کے ہوا کرتے ہیں۔ ایک وہ جو وعدہ کرے اور وفا نہ کرے، مثلاً آم کے وہ درخت جن میں پھول آتے ہیں۔ اور پھل نہیں آتے۔ دوسرے وہ جو وعدہ بھی کرے اور وفا بھی۔ مثلاً سیب کا درخت کہ پھولتا بھی ہے اور پھلتا بھی۔ ایک وہ درخت جو وعدے (پھول) سے پہلے ہی وفا (پھل) کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ درخت انجیر ہے۔ اور اس کی یہ خصوصیت بے نظیر ہے۔

و) انجیر کے پھل سال میں کئی مرتبہ آتے ہیں۔

ز) خواب میں انجیر کا دیکھنا برکت کا سبب ہے۔

ح) حضرت آدم (علیہ السلام) نے جب خدا کی نافرمانی کی اور حلۂ بہشتی اتر گیا۔ تو انجیر کے پتوں سے ستر پوشی کی تھی۔

ط) حضرت آدم جب بہشت سے باہر نکلے ہیں۔ تو انجیر کے چند پتے ساتھ تھے۔ سامنے ہرن نظر آئے آپ نے وہ پتے کھلا دیے اسی کا اثر تھا کہ ہرن میں مشک پیدا ہونے لگا "

اتنے فواید و برکات جس چیز میں ہوں اس کو ترجیح کیوں نہ دی جاتی ؟

زیتون کا کیا کہنا قرآن خود اس کو مبارک کہہ چکا ہے (شجرة مبارکة زیتونة لا شرقیة ولا غربیة) اس کی قسم کھانے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔ ظاہر احاجت تقریر و بیان این ہمہ نیست۔

ان توجیہوں کی ظاہری شکل و شباہت ممکن ہے خوشنما ہو لیکن انجیر کو سب سے بہتر میوہ کہنے کا کوئی علمی ثبوت موجود نہیں۔ متعدد میوے ایسے ہیں جن میں غذائیت بھی ہے۔ اور دوائیت بھی۔ انجیر کے جن افعال و خواص پر زور دیا جاتا ہے طب جدید کی رو سے ان میں تھوڑی ہی باتیں ثابت ہوئی ہیں۔ ان کے علاوہ جتنی توجیہیں ہیں سب شاعرانہ ہیں ظاہر و باطن کا یکساں ہونا اور "طلب بے دیں تو مزا اسمیں سوا ملتا ہے" کے اصول پر عملدرآمد رکھنا انسان کے لئے صفت ہو تو ہو نباتات کی اس سے کیا قدر بڑھ سکتی ہے۔ انار بھی سال میں کئی مرتبہ پھلتا ہے۔ ترنج میں پھل تو پہلے آتے ہیں اور اس کے بعد پھولتا ہے "میوہ دہد پیش پس آرد۔ بہار" مخزن اسرار میں نظامی نے اسی بنا پر ایک نہایت لطیف مضمون پیش کیا ہے لیکن کیا اس مضمون آرائی سے حقیقت بھی آراستہ ہو گئی ؟ خواب و خیال کا مسئلہ کوئی علمی مسئلہ نہیں ہے۔ کہ اس پر کسی استدلال کی بنیاد ہے۔

حضرت مسیح سے پیشتر کے دنیاوی واقعات کی تحقیق تو علمی دنیا کرہی نہ سکی بہشت کی اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی تفصیل معلوم ہونے کا کیا ذریعہ ہے اور ایسے جزئیات کے لئے تاریخی ثبوت

ل عجیب بات یہ ہے کہ امام رازی جیسے محقق بھی ان تمام دلائل کا تذکرہ جائز سمجھ رہے ہیں۔

(جلد ۸ صفحہ ۲۵۷ و ۲۵۸)

کہاں سے آئے تلمود کو ایسے خلاف عقل دعوے شاید پھبتے ہوں لیکن قرآن ایک صریح غلط بیانی کا کیوں کر حامی ہو سکتا ہے، اور وہ بھی اس حالت میں جبکہ اہل عرب خود کہہ رہے ہوں کہ:۔

فَاِنَّ المسك بعض دم الغزال (مشک بھی ہرن کے خون ہی کا ایک جزء ہے)۔

بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لئے پہلے ان آیتوں کو سُن لینا چاہیے جن میں تین و زیتون کا تذکرہ ہے۔ سورۃ التین میں ہے:۔

والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات فلھم اجرٌ غیر ممنون فما یکذبك بعد بالدین۔ الیس اللہ باحکم الحاکمین؟

انجیر (میوے) اور زیتون (درخت) اور طور سینین (پہاڑ) اور اس شہر (مکہ) کی قسم جس میں ہر طرح کا امن ہے کہ ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت کا پیدا کیا۔ پھر ہم اس کو (بوڑھا کر کے) کمتر سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لائے مگر جو لوگ ایمان لائے۔ اور انہوں نے نیک عمل (بھی) کئے (ان کو تنزل پیری سے دل تنگ نہ ہونا چاہئے کیونکہ ان کے لئے تو (آخرت میں) اجر ہے بے انتہا۔ (تو اے پیغمبر اب) کون ہے جو ان سب باتوں کے معلوم کئے پیچھے (روز جزا کے بارے میں تم کو) جھٹلا سکے۔ کیا خدا سب حاکموں سے بڑا حاکم (اور قدرت والا) نہیں ہے (تو منکرین قیامت اس سے کیوں نہیں ڈرتے)[1]۔

---

[1] اس ترجمے نے جو مولوی نذیر احمد صاحب سے ماخوذ ہے آیت کے مفہوم میں اور بھی پیچیدگی بڑھا دی۔ اب تک تو تین و زیتون ہی کے شاخسانے تھے اب ایک اور سگوفہ نکل آیا ہے۔ ثم رددناہ اسفل سافلین الا الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات فلھم اجر غیر ممنون کا لفظی ترجمہ صرف اتنا ہے کہ پھر ہم اس کو یعنی انسان کو کمتر سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لائے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کے لئے تو اجر بے حد ہے۔ مولوی صاحب یہ سمجھے کہ کمتر سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لانے کا مطلب انسان کو بوڑھا بنانا ہے لیکن بعد کے منشار نے وقت یہ پیدا کر دی کہ کمتر سے کمتر مخلوق کے درجے میں لوٹا لانے کی صفت اس شخص کی ہونا چاہیے جو ایماندار

ان آیات میں اتنی باتیں مذکور ہیں۔

الف۔ چند خاص چیزیں جن کا تقدس عرب سے نکل کر اہل کتاب میں بھی ضرب المثل تھا، خدا نے ان کی قسم کھائی ہے یعنی انہیں اپنی خدائی کا شاہد قرار دیا ہے (قرآن کے محاورہ میں قسم سے شہادت ہی مراد بھی ہوا کرتی ہے)؂

(ب) لوگوں کو جزا و سزا میں شک تھا اس لئے اچھی طرح توضیح کر دی کہ انسان خود اپنی حالت کیوں نہیں دیکھتا کتنی اچھی ساخت کی اس کی آفرینش ہوئی تھی اور پھر اپنی بد اعمالیوں سے کتنی بُری حالت کو پہنچ جاتا ہے، لوگ ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں۔ سوسائٹی میں خاطر خواہ عزت نہیں ہوتی، غور کرے تو اپنی نگاہوں میں آپ چھوٹا نظر آتا ہے اس کے مقابلہ میں جن لوگوں کے عقائد و اعمال دونوں اچھے ہوں زمانہ بھی انہیں اچھا سمجھتا ہے، خود ان کا ضمیر ان کی عزت کرتا ہے۔ اور سچ پوچھو تو اسی عزت میں اجر غیر ممنون (جزا بے حد) مضمر ہے۔ ان کھلم کھلا مثالوں پر جو تقریباً ہر شخص کے لئے پیش آتی ہیں جزا و سزا کا انکار کیوں کر ممکن ہے۔ ذرا اور سے حکام تو بدلہ لیتے دیتے رہتے ہیں۔ پھر کیا خدا جو سب سے بڑا حاکم ہے وہ اس پر قادر نہیں ہے؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵) و نیک کردار نہ ہو بوڑھا ہونا اگر اس آیت کا مطلب ہوتا تو بوڑھے تو مومن و کافر اچھے بُرے سب ہی ہوتے ہیں اس لیے اتنی تمہید آپ نے اور باندھی کہ نیک کردار مومنین کو "منزل پیری سے دل تنگ نہ ہونا چاہیے" حالانکہ یہ صریح زیادتی ہے ہم مانتے ہیں کہ یہ اضافہ مولوی صاحب کا خود ساختہ نہیں ہے لیکن وہ شخص جو اجتہاد کا مدعی ہو کسی کی کمزوریاں اس کی پردہ پوشی نہیں ہو سکتیں! امام رازی تک کو اس کمزوری کا اعتراف ہے اور وہ بھی اس تاویل کے ساتھ استثنا کو منقطع مانتے ہیں (رازی طبع مصر ۱۳۰۹ جلد ۸ صفحہ ۴۵۹) "اجر غیر ممنون" کا صحیح ترجمہ اجر غیر مقطوع ہے جس کو دوسرے مقام پر "عطاء غیر مجذوذ" فرمایا ہے "اجر بے انتہا" کے لئے آخرت کی قید بھی ہم صحیح نہیں سمجھتے کفار تو آخرت کے قائل ہی نہ تھے (ابن جریر جلد ۳۰ صفحہ ۱۳۵) پھر اس ترغیب کو وہ کیوں ماننے لگے" "فما یکذبک بعد بالدین" کا ترجمہ "تو اے پیغمبر (اب) کون ہے جو ان سب باتوں کے معلوم کئے پیچھے (روز) جزا کے بارے میں تم کو جھوٹا سمجھے" بھی درست نہیں قرآن کے محاورہ میں ما کا لفظ جہاں کہیں بھی آیا ہے اس کے معنی کیا۔ کے ہیں۔ کون کے نہیں ہیں ...... کون کا استعمال ذوی العقول کے لئے ہے اور اس کے لئے من کا لفظ آیا ہے۔ صحیح مفہوم یہ ہے کہ "تو اے انسان، اب کیا چیز ہے جو اتنے سارے شواہد کے بعد جزا و سزا کے باب میں تجھے جھٹلا سکتی ہے؟"

شہادت حسینؑ اور قرآن

از
مولوی سید ابو الخیر صاحب مودودی

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ
وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ
وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم
مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ
رَاجِعُونَ - أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ
مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ
الْمُهْتَدُونَ (۲: ۱۹)

لابد ہم تمھیں خوف اور بھوک اور مال وجان کے
زیان اور پیداواروں کی تباہی میں ڈال کر تمھاری
آزمائش کریں گے۔ جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بشارت
دیدو (کہ انجام کار فلاح وکامرانی انہی کے لئے ہے)۔
یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو
کہتے ہیں: ہم اللہ ہی کے ہیں اور بالآخر ہمیں اسی کی طرف
جانا ہے۔ یقیناً یہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی
جانب سے صلاۃ ورحمت ہے اور یقیناً یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں

حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعۂ شہادت میں شریعت حقۂ اسلامیہ کے بیشمار حقائق و اسرار مضمر ہیں۔ میدان کرب وبلا جس مقدس قربانی کے طیب وطاہر خون سے رنگین ہوا، وہ محض شخصی واقعہ نہیں ہے، اور نہ محض عزم واستقلال، صبر وثبات، تحمل مصائب اور مردانہ وار جان سپاری کا قصہ ہے جسے ہم اتباع وپیروی کے لئے اسوہ بنائیں۔ بلکہ اس کا تعلق سرتاسر اسلام کی حقیقت سے ہے، وہ حقیقت جو حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام پر طاری ہوئی تھی اور دونوں راہ حق میں قربان کر دئے

قربان ہونے کے لئے تیار ہو گئے تھے :

يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ، وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ! قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۔ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۔ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۔ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ، سَلَامٌ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۔ (۳۷ : ۹۹ - ۱۰۴)

بیٹا میں نے خواب میں دیکھا کہ تجھے (اللہ کے نام پر) ذبح کر رہا ہوں ۔ دیکھ تیری کیا رائے ہے ۔ کہا ۔ اے باپ جو حکم دیا گیا ہے اس کو بے تامل کر گذرئیے انشاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے پس جب دونوں اسکے آگے جھک گئے اور (باپ نے بیٹے کو) ماتھے کے بل گرا دیا تو ہم نے ندا دی کہ اے ابراہیم! تونے اپنا خواب سچ کر دکھایا محسنین کو ہم ایسی ہی جزا عطا کرتے ہیں بے شک یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی ۔ اس کے فدیہ میں ہم نے ایک بڑی قربانی دیدی ۔ اور آنے والی امتوں میں اس واقعۂ عظیم کی یادگار قائم کر دی پس سلام ہو ابراہیم پر ۔

کہ دونوں نے بے تامل گردنیں جھکا دیں ۔ یہ تھی اسلام کی حقیقت جو مقام خلت پر فائز باپ بیٹوں پر طاری ہوئی ۔ اور اسی انقیادِ حقیقی، اسی اطاعت کامل، اسی ایثار و فدویت نفس جان کو امتہ وسط کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا: قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ ۔

محبت و رضاء الٰہی اور دعوۃ و تبلیغ حق کی راہ میں انبیاء علیہم السلام نے جو قربانیاں پیش کیں، اور جن مصائب و آلام کی آزمائشوں سے ان کی جانچ کی گئی ۔ اور یہ منزل مر داعی حق و مجاہد فی سبیل اللہ کی راہ میں آتی ہے تا معلوم کیا جائے کہ ان میں کون مجاہد و صابر ہے : ۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ۔

لیکن خانوادۂ نبوت و رسالت کی پوری تاریخ میں کوئی قربانی کوئی مصیبت کوئی ابتلا کوئی آزمایش بجز ملت حنیف کے مورث اعلیٰ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے واقعۂ اسلام کے شہید کربلا کی آزمایش سے زیادہ سخت و جان گداز نہیں تھی اسی بنا پر مفسرین امامیہ اس طرف گئے ہیں کہ وفدیناہ بذبح عظیم سے مراد امام حسین علیہ السلام کا واقعہ شہادت ہے، اور اس باب میں انہوں نے ائمہ اہل بیت کرام علیہم السلام کے آثار بھی نقل کئے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام کی جس حقیقت کا ظہور زمین خشک سال میں اسمٰعیل علیہ السلام کی ذات سے ہوا تھا، امام حسین علیہ السلام نے کربلا کے ہولناک بیابان میں اس کی تکمیل کر دی ظہور رضائے الٰہی کے آگے جھک جانے میں ہوا تھا، اور تکمیل رضا برضا ر الٰہی کے ساتھ جراحت ادنیٰ سے ادنیٰ مقاصد بھی سعی و جہد چاہتے ہیں اور جو مقصد جتنا زیادہ اعلیٰ و اہم و اکبر ہوتا ہے اتنے ہی بڑے جہاد کا طالب ہوتا ہے۔ ولذالک قال الاعرابی۔

لاتحسب المجد تمراً انت آکله — لن تبلغ المجد حتیٰ تلعق الصبرا

پھر وہ مجد و شرف عزیز جس سے زیادہ کوئی مجد و شرف نہیں، اور وہ مقصد عظیم و جلیل جو تمام مقاصد میں اقصی الغایات ہو اس کا حصول کتنا پر تعب اور کس قدر صبر آزما ہوگا:-

لن تنالوا ما تحبون الا بالصبر علی ما تکرھون ولا تبلغون ما تھوون الا بترك ما تشتھون

جس کو تم محبوب رکھتے ہو وہ تمہیں کبھی حاصل نہ ہوگا جبتک خوشی اور خندہ پیشانی کے ساتھ مکروہات کو برداشت نہ کرو۔ اور جس کو تم چاہتے ہو اس تک تمہاری رسائی نہیں ہوگی۔ جب تک کہ تم اپنی نفسانی خواہشیں ترک نہ کردو۔

حضرت ابراہیم کا سر جب اتنے بتوں کے آگے نہ جھکا جن کی پرستش ان کی قوم کرتی تھی، اور ان کا قلب سلیم اجرام سماوی کی درخشاں سطوت سے بھی مرعوب نہوا۔ اور انہوں نے کہا:-

انی لا احب الافلین ...... انی وجهت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض وما انا من المشرکین ۔ میں فنا پذیر ہستیوں کو دوست نہیں رکھتا ...... میں نے اپنا منہ اس کی طرف کرلیا ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

تو لابد ہوا کہ ان کے اس دعوی کی آزمایش کیجائے۔ کہا گیا پہلے اپنے بیٹے کے گلے پر چھری رکھو کہ شرک صرف ماسوی اللہ کی پرستش ہی نہیں ہے بلکہ ما دون اللہ میں الجھاؤ اور محبوبات اور مالوفات میں شغولی بھی شرک ہے۔ مسیح نے کہا ہے:- ایک نوکر دو آقاؤں کو خوش نہیں رکھ سکتا" پھر ایک قلب میں ہزار وں محبتیں کیسے پرورش پا سکتی ہیں۔ اور وہ جس کی سمائی ارض و سما کی وسعتوں میں نہیں ہو سکتی اس قلب کو اپنا کاشانہ کیسے بنا سکتا ہے جس میں زن و فرزند کی محبت اور زر و جواہر کے قناطر مقنطرہ کی الفت بھی حکومت فرما ہو۔ وہ بے تامل بڑھے اور انہوں نے بیٹے کے گلے پر چھری رکھدی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام پر نسبت ابراہیمی کا غلبہ تھا۔ جیسا کہ بعض ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے ماثور ہے۔ انھوں نے کہا: وامرت ان اسلم لرب العالمین۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس کے آگے جھک جاؤں جو تمام جہان کا پروردگار ہے میں اپنا سر اللہ کے آگے جھکا چکا ہوں اور جو سر اللہ کے آگے جھک چکا ہو وہ غیر اللہ کے آگے نہیں جھک سکتا حکم ہوا اپنی رگ جان کے خون سے اپنے اس ایقان کی شہادت دو۔ ایقان سچا ایقان تھا نہ صرف اپنی رگ جان کے خون سے شہادت دی بلکہ اپنے اہل بیت اور اصحابؓ کے خون سے بھی اسپر مہریں لگائیں۔ فرمایا "ہم سے صرف یہی نہیں کہا گیا ہے کہ جب ہم نماز کے لئے کھڑے ہوں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تم جو کچھ ہو اس کے ساتھ اس کی طرف پھر جاؤ۔ وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم۔ تو اس کے معنی اس کے سوا کیا ہیں کہ مسجد حرام کی طرف رخ کرنے کے ساتھ قلوب کا اس حقیقت اسلامی کی طرف متوجہ ہونا بھی ضروری ہے

جو اس مرکز عبادت کے بنانے والے پر طاری ہوئی تھی)۔ اور اس حقیقت کو صبر و ثبات کیساتھ اپنے اندر قائم کر لینے کے لئے کہا گیا کہ قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کی ذات میں بہترین نمونہ ہے اور وہ نمونہ یہی آلہی قربانی تھی جس کی بنا پر کہا گیا کہ بیشک وہ مشرکین میں سے نہیں ہے اور اپنی ذات سے پوری ایک اطاعت شعار امت ہے، اور اس نے اپنے تئیں اللہ کی رضا میں اسطرح فنا کر دیا ہے کہ خود اس کی اپنی کوئی ہستی باقی نہیں رہی۔ یعنی اس نے نہ صرف یہ کہ راہ الٰہی میں اپنی قوم کو چھوڑا اور کہا: وبدا بیننا و بینکم العداوۃ والبغضاءُ ابدًا حتیٰ تؤمنوا باللّٰہِ وحدہٗ ہمارے اور تمہارے درمیان کھلی کھلی عداوت اور دشمنی ہے ہمیشہ کے لئے حتیٰ کہ تم خدائے واحد پر ایمان لاؤ، بلکہ اپنے بیٹے کو بھی جو بڑھاپے کی دعاؤں کا نتیجہ تھا، رضاء الٰہی میں قربان کرنے سے دریغ نہ کیا۔ انّ ابراھیم کان امۃ قانتاً لِلّٰہِ حنیفا ولم یک من المشرکین۔ اور جو کچھ کہا گیا مطلب کو واضح تر کرنے کے لئے کہا گیا، ورنہ استقبال وجوہ الی المسجد الحرام کے اختصاص میں یہ سب کچھ موجود ہے اگر مسجد حرام کی بناء میں کوئی خصوصیت نہ ہوتی تو کیوں کہا جاتا ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام۔ حالانکہ انفس و آفاق کا کوئی گوشہ نہیں جس میں اس کا نور حیات بخش نہ ہو۔ مگر یاد رکھو کہ مسجد حرام کی طرف متوجہ ہونا ارکان صلوٰۃ میں سے صرف ایک رکن ہے لیکن اس کے کہن سال بنانے والے کی اس آلہی قربانی کو اپنے اندر قائم کر لینا شرط اسلام ہے اور ہمارے نزدیک نماز درست نہیں ہوتی جبتک یہ شرط پوری نہ ہو۔ کیا نہیں دیکھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں بوجہ قیام وقعود پھول کر پھٹ پھٹ جاتے تھے اور آپ کو خبر نہ ہوتی تھی اور ابو تراب کے جسم سے حالت نماز میں تیر نکالا گیا اور اذیت محسوس نہ ہوئی۔ یہی حقیقت اسلامی ہے جس کی اقامت و ادامت کا حکم دیا گیا ہے اور جو ہر مومن و مسلم سے دن میں کم از کم پانچ مرتبہ خود

اپنے نفس کے مقابلہ میں اور ان لوگوں کے مقابلہ میں جو اللہ کی زمین پر فساد برپا کرتے ہیں اس کے مقررہ حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔ جہاد و قربانی چاہتی ہے پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ میں ان لوگوں کا ساتھ دوں جو اسلام میں فتنہ کی تخم ریزی کر رہے ہیں۔ اللہ کی زمین پر فساد پھیلانا چاہتے ہیں اور وہ باتیں کر رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں ہوئیں۔ اللہ کہتا ہے۔ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ مگر وہ مال جمع کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں تو اپنے استقرار امر کے لئے رشوتوں میں۔ اللہ کہتا ہے وامرھم شوریٰ بینھم۔ مگر وہ شوریٰ ترک کرتے ہیں، اور بجبر اپنی بات منوانی چاہتے ہیں۔ امامت و خلافت امت کی صلاح و فلاح کے لئے ہے ضلالت و ہلاکت کے لئے نہیں۔ ایسے امام سے امت کیا فلاح پا سکتی ہے جس کا شیوہ ہوائے نفس کی غلامی ہے، جو علانیہ معصیت کرتا ہے جو سکیر و خمیر ہے، جو حدود اللہ سے تجاوز کر چکا ہے یزید کی خلافت دراصل اسی بات کا اعلان ہے کہ اب امت مسلمہ میں کوئی صالح و متقی انسان باقی نہیں رہ گیا ہے الاقوہ الاودی شاعر جاہلی نے کہا ہے۔

لایصلح الناس فوضی لاسراۃ لھم ولاسراۃ اذا جھالھم سادوا

لیکن میں خاموش رہوں گا حتی کہ وہ وقت آئے جو اس لئے مقرر ہو چکا ہے، اور ہو گا جو کچھ کہ ہونا ہے"

یہ وہ کلام ہے جو حضرت امام حسین علیہ السلام نے محمد بن حنفیہ سے اس وقت کہا جبکہ امیر معاویہ نے مدینۂ مبارکہ آکر یزید کی ولایت عہد کے لئے بیعت طلب کی، اور علی بن الحسین، زین العابدین علیہ السلام سے بروایت حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ، ثور ہے اور امالی شیخ مفید ذریعہ ہم تک پہونچا ہے۔

باقی۔

خالی صفحه

قواعد

رسالہ "ترجمان القرآن" بالعموم ہر ہجری مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوا کرے گا
مہینہ کی ۲۵ تاریخ تک جن حضرات کے پاس پرچہ نہ پہنچے وہ دوبارہ لکھ کر منگوا سکتے
ہیں ختم ماہ کے بعد دوسرے مہینہ کی ابتدا میں جن خریداروں کی شکایات موصول
ہوں گی ان کو پرچہ قیمتاً دیا جائے گا۔

رسالہ کی موجودہ قیمت میں کسی قسم کی رعایت ممکن نہیں ہے۔ لہذا کوئی صاحب
رعایت کا مطالبہ نہ فرمائیں۔

خریداروں کو دفتر سے مراسلت کرنے میں ہمیشہ اپنے نمبر خریداری کا حوالہ
ضرور دینا چاہئے لیکن یہ لحاظ رہے کہ رجسٹر نمبر اور چیز ہے اور نمبر خریداری اور چیز۔

اشاعت کے لئے مضامین اور حل طلب شکوک تمام ایڈیٹر کے نام بھیجے جائیں
لیکن ایڈیٹر پر لازم نہیں ہے کہ ہر مضمون شائع کرے۔

منیجر